

سازمان تبلیغات اسلامی (مغربی پاکستان) لاہور

ماہنامہ
شمس الاسلام
 بجیرہ

شمالی پنجاب میں تبلیغ اسلام کا مرکز
 جامع مسجد بنجرہ پنجاب

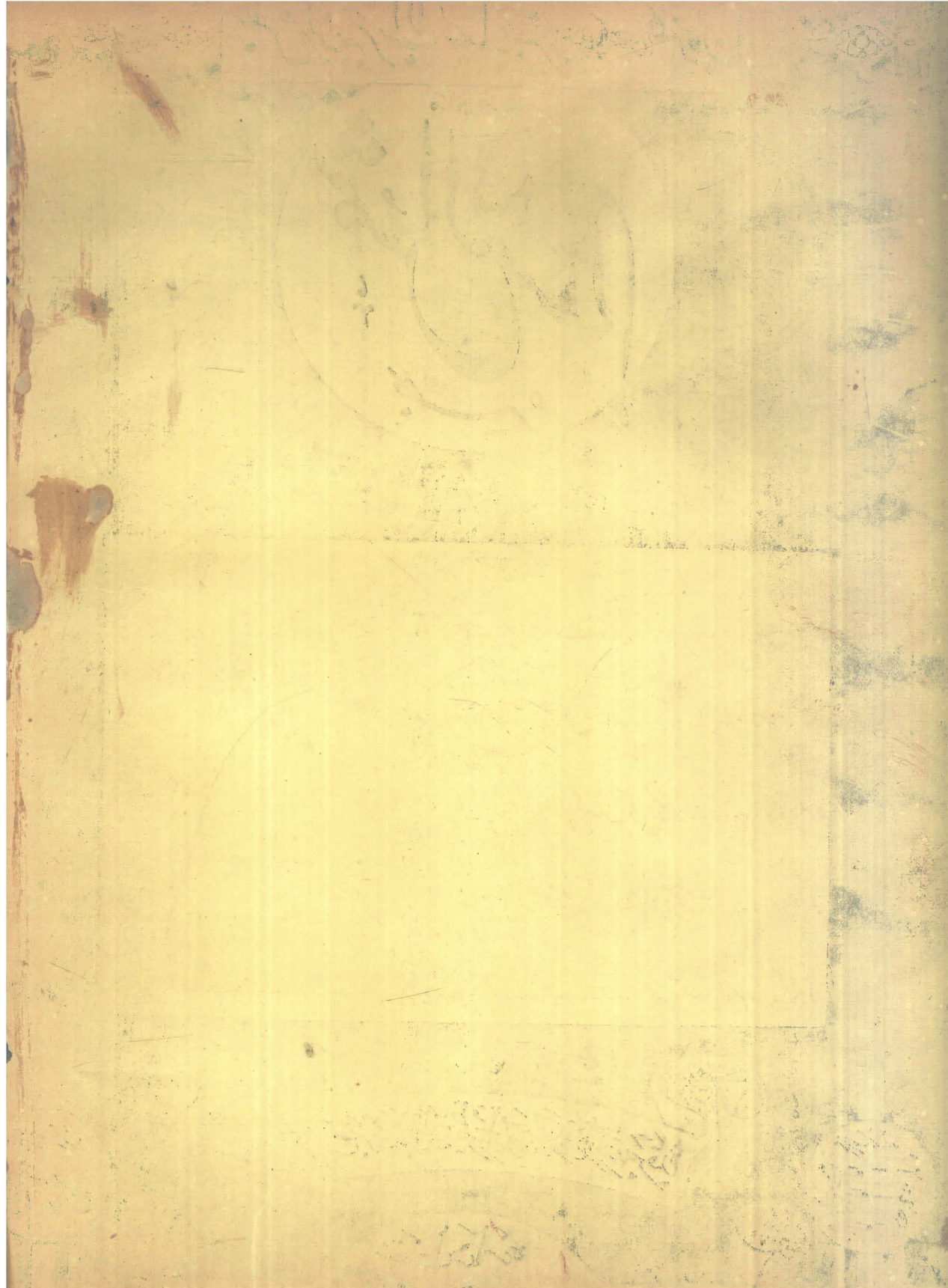


پیامِ نبوت حضرت نوح علیہ السلام کو فرشتہ مرقدہ

مذہبِ سلاطین
 عوامی -
 معاشرتی -
 علمی -

مدیر مسئول
 امام حسین

محتدا آئینہ
 مولانا الحاج افتخار احمد صاحب مدظلہ العالی





ماہ نظر نئی ماہ کی گیارہ تاریخ سے

(۱) بزم انصار ادارہ

(۲) تعلیم اسلامی مولانا محمدناہید صاحبینی

(۳) شذرات ادارہ

(۴) درس عمل محترم طاووت صاحب

(۵) اسلام اور پاکستان کی پیکار ادارہ

(۶) ایک سخت مخالطہ کا جواب ماخوذ

(۷) مطائبعہ محترم فضل کریم صاحب گندل

(۸) مسلمانوں کے فساد و زوال کی ابتداء ادارہ

(۹) انڈونیشیا محترم نذر محمد صاحب خاندانی

ماہنامہ

شمس الاسلام

مدیر اعزازی - سید سیاح الدین کا کاخیل

مقام اشاعت - دفتر ماہنامہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ (پاکستان)

بہتیار غلام حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر ثنائی برقی

پریس سرگودھا سے چھپکر بھیرہ (پاکستان) میں شائع ہوتا

ضروری گزارش ہر جملہ خط و کتابت و ترسیل زرد بنام منیجر بریدہ شمس الاسلام بھیرہ (پاکستان) ہونی چاہیے۔

بزم انصار

حزب الانصار کا بیسواں سالانہ جلسہ بتاریخ ۱۰-۱۱-۱۲ راج ۱۴۰۵ھ

حضرت مولانا صاحبزادہ محمد حسین صاحب
 فقیہ ہند، ہفتہ
 حضرت پیر سید احمد غوث شاہ صاحب ترمذی شریف۔ حضرت صاحبزادہ
 مسجد بھیرہ دانشاء الش
 محبوب الہ رسول منائش شریف۔ محترم صاحبزادہ مطلوب الہ رسول
 صاحب لہ شریف۔ محترم صاحبزادہ عبد الرسول صاحب لہ شریف۔
 موقع پر ملک
 حضرت مولانا محمد حنیف صاحب سجادہ نشین کوٹ مومن۔ حضرت مولانا مفتی عطاء محمد
 صاحب رتوی۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب۔ مولانا پیرزادہ محمد ہاشم الحق صاحب قاسمی۔
 کرام و مشائخ
 مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی۔ مولانا محمد اکرم صاحب قطبی لٹانی۔ مولانا دردویش
 محمد صاحب احمد پوسیال۔ مولانا لال حسین صاحب اختر۔ مولانا غلام غوث صاحب
 ہزاروی۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری لٹانی۔ مولانا سید سیاح الدین صاحب
 کاکا خیل۔ مولانا عبد الرحمن صاحب میانوی۔ مولانا اسحاق فضل الہی صاحب۔ مولانا محمد امیر الدین
 صاحب۔ مولانا بشیر احمد صاحب کوٹلوی۔ مولانا محمود خالد صاحب خالد ایم۔ اے۔ مولانا عبد
 الحسین صاحب۔ مولانا محمد نذیر صاحب۔ مولانا اسحاق محمد عالم
 کوہوت دی گئی
 صاحب۔ مولانا محمد یونس صاحب۔ مولانا محمد امین صاحب جھنگوی۔ ہے۔ اور ان میں اکثر
 مولانا محمد رفیع صاحب۔ مولانا
 حضرت اپنی تشریف
 شاہ محمد صاحب۔ صوفی
 ہیں۔ قارئین شمالی اسلام صلح سرگودھا
 عبد الرحیم صاحب
 و صوفی محمد شریف صاحب وغیرہ وغیرہ
 لاہور، کیمیل پور سے درخواست
 مشہوری کر اگر خوشنودی آئی حاصل کریں۔
 باہر سے تشریف لائے حضرات کے قیام و طعام کا بندوبست حزب الانصار کی طرف سے بلا معاوضہ ہوگا۔

تعلیمات اسلامی

(مولانا محمد زاہد صاحب الحسینی)

اسلام کا پوتھا رکھنا روزہ

اسلام کا پوتھا رکھنا روزہ اسلام کا پوتھا رکھنا رمضان کے روزے ہیں۔ زکوٰۃ کے ادا کرنے سے مل پاک ہو جاتا ہے۔ اور روزہ رکھنے سے انسان کا بدن پاک ہو جاتا ہے۔ نیز زکوٰۃ ادا کرنے سے غریبوں کے ساتھ مالی امداد کی جاتی تھی۔ اور روزہ رکھنے سے غریبوں کے ساتھ عملی محبت اور رواداری ظاہر کی جاتی ہے۔ جو لوگ سارا سال بھوکے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہر مسلمان کو عملی طریقہ پر ہمدردی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ سال میں کم از کم تیس دن تو بھوکے رہ کر ان کی تکالیف کا اندازہ لگائیں۔

اسلام سے پہلے بھی روزہ کا رواج تھا۔ اکثر علماء تاریخ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت فوج علیہ السلام نے رمضان شریف کا روزہ رکھا۔ روزہ ہر عاقل بالغ مرد و زن پر فرض ہے۔ یاں مریض اور مسافر، حیض و نفاس والی عورت اس وقت اگر نہ رکھے تو بعد میں قضا کر لے گی۔ اس کو اجازت ہے۔

روزہ کے فوائد

۱۔ پہلا فائدہ تو روزہ کا یہی ہے کہ اس سے غریب اور مسکین کے ساتھ عملاً ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ انسان کو ان تکالیف کا پورا پورا احساس ہو جاتا ہے۔ اس لئے روزہ ختم کرتے ہوئے عید کے دن سب سے پہلے ضروری اور لازمی ہے کہ صدقہ فطر غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرے۔

۲۔ پاک دامنی اور پاک زبان بننا: روزہ میں یہ حکم کیا گیا ہے کہ روزہ دار بڑے کاموں سے پرہیز کرے۔ کسی کی غیبت نہ کرے۔ گالی نہ نکالے۔ اگر روزہ دار نے بڑائیوں سے پرہیز

نہ کیا تو صرف منہ بند کرنے سے اسکو وہ فائدہ نہ ملے گا جو روزہ سے مطلوب ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ
نہاں ہے احترام موم میں حق کی رضا جوئی
نہ کرنا شور و غل ہرگز نہ ہونا محو بد گوئی
کر دوا عرض یہ کہہ کر کہ بھائی ہم تو صائم ہیں
اگر دشنام سے یا تم سے ہوتا تیغ آزاں کوئی

۳۔ رمضان کا مہینہ بہت ہی رحمتوں کا مہینہ ہے۔ قرآن شریف اسی مہینہ میں نازل ہونا شروع ہوا۔ اسی مہینہ میں لیلۃ القدر جیسی مبارک رات ہے جو ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اسی کے ختم ہونے پر مسلمانوں کو عید جیسی خوشی منانے کا حکم ہے۔ کہ اس دن خوب کھاؤ پیو۔ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ اسی میں رات کو کتاب الہی پڑھی جاتی ہے۔ نماز تراویح میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور پاکی بیان کی جاتی ہے۔

بدنی فائدے: ہر روزہ سے صرف روح کو ہی فائدہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس کی وجہ سے جسم کی اصلاح ہوتی ہے۔ حکیموں اور ڈاکٹروں کا فیصلہ ہے۔ کہ روزہ سے کم از کم مندرجہ ذیل فائدے پہنچتے ہیں۔

۱۔ بدن کی نوے فیصدی بیماریاں جو بد مضمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ دور ہو جاتی ہیں۔

۲۔ خون کے دباؤ (HIGH BLOOD PRESSURE) کا اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔ کہ ایک ماہ کے روزے رکھے جائیں۔

۳۔ جسم کا موٹاپا جو ایک خطرناک بیماری اور بد شکلی ہے۔

ان کاموں کے سوا دوسرے کاموں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مولکہ ہیں۔ ان میں ایک دفعہ قرآن شریف کا ختم سنت ہے۔ زیادہ کار ثواب ہے۔

احتیاط - رمضان کے آخری دس دنوں میں احتیاط کرنا سنت علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر ایک آدمی نے بھی اعتکا نہ کیا تو سب محلہ کے لوگ گنہ گار ہوں گے۔ بیسویں تاریخ کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے مسجد میں داخل ہو جائے۔ اور عید کا چاند دیکھنے پر نکلے۔ ضرورت انسانی کے بغیر مسجد سے نہ نکلے۔ قرآن شریف، درود شریف اور نیک کام کرتا رہے۔ عید الفطر - عید کے دن درکعت نماز بطور شکرانہ ادا کرنا واجب ہے۔ عید کی نماز عید گاہ میں پڑھی جائے۔

مسجدوں میں اور پھر الگ الگ جگہ نماز عید ادا کرنا اسلامی طرز عمل سے دوسرے عید کے دن غسل کرنا۔ اچھے کپڑے پہننا۔ خوشبو لگانا۔ پیادہ پا جانا۔ راستہ میں آہستہ آہستہ اللہ اکبر اللہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا یہ سب کام سنت ہیں۔

صدقہ فطر - جس آدمی کے پاس عید کے دن کم از کم چالیس روپے ہوں جو اسکی ضرورت سے زیادہ ہیں۔ تو اس پر اپنی طرف سے اور اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

جو قبل نغید ادا کرنا بہتر ہے۔ گندم دو سیر اور جو چار سیر علی ہذا القیاس دیگر غلے کا حساب کر لے۔ یہ صدقہ فطر تمام رونے کا پھوڑ ہے۔ اگر یہ ادا نہ کیا تو روزے ٹکٹے ہوئے رہیں گے۔ صدقہ فطر غرا اور مساکین کا حق ہے۔

روزے سے اسکی اصلاح ہو جاتی ہے۔

۴۔ شہوانی خیال کی زیادتی کی وجہ سے ذکاوت حس وغیرہ بیماریاں جو پیدا ہوتی ہیں۔ وہ روزہ کی وجہ سے دُور ہو جاتی ہیں۔ قرآن شریف نے ان تمام فوائد کو تین جملوں میں ادا فرما دیا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) لِنُكَبِّرَ حَاجَاتِ اللَّهِ عَلٰی مَا هَلَّا مَكَّدُ خدائی حاجات پر اسکی بڑائی بیان کرو) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (تاکہ اس کا شکر ادا کرو)۔

رمضان کے ضروری احکام | صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب

تک نہ کھائے نہ پیئے اور نہ جماع کرنے کا نام روزہ ہے۔ مگر نیت شرط ہے۔ سحری کھانا سنت ہے۔ اگر بھوک نہ ہو تب بھی ایک دو لقمے کھالیوے۔ غروب آفتاب کے فوراً بعد روزہ کھول دینا بہتر ہے۔ بعض لوگ ایک زبردست غلطی کرتے ہیں۔ ادھر تو نماز صبح کی اذان تک کھاتے پیئے رہتے ہیں اور ادھر نماز شام تک افطار نہیں کرتے۔ حالانکہ سحری کا وقت صبح صادق تک ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اذان صبح کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ ادھر غروب آفتاب کے بعد اگر وہ پورا غروب ہو چکا ہو تو افطار کر لے۔ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

ناگ کان میں دوا ڈالنے سے۔ قصداً منہ بھر کر تھکے کرنے سے۔ کھلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلے جانے سے۔ حقہ کرنے سے۔ کنکر پتھر وغیرہ کھانے سے۔ غلطی سے یہ خیال کیا کہ ابھی سحری ہے۔ اور کھاتا رہا۔ ادھر صبح ہو چکی تھی۔ یا یہ سمجھا کہ آفتاب غروب ہوا ہے۔ اس لئے افطار کر دیا۔ مگر ابھی غروب نہ ہوا تھا۔ اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ گریٹ اور حقہ پینے سے۔ جس تھوک میں خون زیادہ ہو وہ نگلنے سے۔ دانتوں میں روٹی یا گوشت کے جو ٹکڑے جمع تھے اگر وہ چسنے کے برابر ہوں تو ان کے نگلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

تذرات

(اداشہ)

مرزائیت اور پاکستان سے غداری

پاکستان میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ آیا مرزائی پاکستان کے وفادار ہیں۔ یا وہ موقع آنے پر غداری ثابت ہونگے۔ ملک کے اخبارات نے بجا طور پر اس مسئلہ کو چھیڑا ہے۔ اور پاکستان میں مرزائیوں کی موجودہ سرگرمیوں اور سازشوں اور ان کی فطرت و طبیعت سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اب وفاداری کا یہ دم بھرنے والے نازک وقت میں ہندوستان کے دوست ثابت ہو جائیں گے۔ اور اپنے ”قبلہ و کعبہ“ قادیان میں پھر جا کر بسنے کی خاطر پاکستان کو قربانی کا بکرا بننے سے دریغ نہ کریں گے۔ قادیان میں مقیم مرزائیوں کے بدلہ میں ننگانہ میں سکھ رکھے گئے ہیں۔ اور خبر آئی ہے کہ ان قادیانیوں کو وہاں بال بچے رکھنے کی اجازت بھی اس شرط پر دیدی گئی کہ یہاں ننگانہ میں سکھ بھی اہل و عیال بلا کر مستقل طور سے اقامت گزین ہونگے۔ یعنی صرف ایک قادیان کے لئے جس کے ساتھ مسلمانوں کا نہ صرف یہ کہ کچھ تعلق نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی نگاہ میں ایک دشمن خدا و رسول کا مرکز کفر والحاد ہے۔ اور اس لئے مبغوض ہے۔ پاکستان میں سکھوں کو مراعات دی جا رہی ہیں۔ دراصل ایک مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی ہزاروں عبادت گاہیں اور خانقاہیں۔ مدارس و مکاتب قبضہ اغیار میں ہیں ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ہندوستان و پاکستان کے تعلقات خوشگوار ہوں اور دونوں ہمسایہ حکومتیں اور انہی رعایا نہایت امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کریں اور اقتصادی، تجارتی اور

دیگر تعلقات استوار ہوں۔ لیکن ہم یہ کبھی نہیں برداشت کر سکتے کہ ہر طرح کی سودا بازی صرف قادیان کے حصول کی خاطر ہو۔ اور وہاں پر مراعات حاصل کرنے کے لئے پاکستان کی اسلامی مملکت کے سیاسی مفادات کو قربان کر دیا جائے۔ درحقیقت بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہمارے اکابر نے سر ظفر اللہ خان کی پوزیشن۔ اس کے مذہب و مسلک اور تمام سیاسی گزشتہ تاریخ پر غور کئے بغیر ہی نہ معلوم کس کے اشارہ پشیم و ابرو پر فوراً ہی وزارت خارجہ کا اہم ترین عہدہ اُس کے حوالہ کر دیا۔ انگریزوں اور انگریزی ایجنٹوں کی طرف سے بالواسطہ اور مرزائیوں کی طرف سے بلاواسطہ بار بار سر ظفر اللہ کی لیاقت و ہمہ دانی اور ذہانت و قابلیت کا ہمہ گیر پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ اچھے خالص ”دیندار قسم“ کے لوگ بھی اس باطل پروپیگنڈے سے اس قدر متاثر ہیں کہ وہ مرزائیوں کو کافر قرار دینے کے باوجود چودھری صاحب کی وزارت کو اس کی مخصوص صلاحیتوں کی بنا پر قابل برداشت سمجھتے ہیں۔

.....

..... لیکن ہم اسکو انگریزوں کا ایک زبردست پروپیگنڈا سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے مقاصد کے حصول اور کار بآری کے لئے ظفر اللہ کو ہم پر مسلط رکھنا چاہتے ہیں۔ اور پاکستان کے اہم اور کلیدی محکمہ پر اپنا ایک قابل اعتماد ایجنٹ بٹھائے رکھنا انہیں منظور ہے۔ ورنہ اگر حقیقت یہ نہیں تو آخر بتایا جائے کہ قیام پاکستان کے بعد آخر کونسا وہ میدان ہے جو انہوں نے اپنی

لیاقت و ذہانت سے جیت لیا ہے۔ بلکہ پاکستان کو جتنے پیچیدہ مسائل درپیش پیش ہیں۔ خصوصاً مسئلہ کشمیر ان کی اصل وجہ پودھری صاحب کی غلط سیاست اور انگریزوں پر اعتماد کا غلط جذبہ ہے۔ ہم علی وجہ البصیرہ کہتے ہیں کہ سر ظفر اللہ خان، مرزا بشیر الدین محمود اور افواج پاکستان کے دوسرے ذمہ دار مرزائی فوجی افسر اور عام مرزائی حقیقتہً پاکستان کے وفادار و غیر خواہ نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے مذہب کے بنیادی اصول کے مطابق مرزا غلام احمد صاحب نہ ماننے والے تمام لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور نجات کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے احکام و ضوابط کے اعتقاد و پابندی کو کافی یقین نہیں کرتے بلکہ غلام احمد کی نبوت کے اعتقاد اور اس کی پیروی کو بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔ اس لئے قرارداد مقاصد کی رو سے کتاب و سنت پر مبنی حکومت کو وہ اسلامی حکومت بھی نہیں کہتے۔ جب وہ حکومت کو اسلامی حکومت نہیں مانتے۔ اس کی اکثریت کیا بلکہ اپنے معدودے چند مرزائیوں کے ہوا ساری آبادی کو کافر کا درجہ دیتے ہیں تو آخر ان سحر پھر کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اس ریاست اور اس کے قانون کے وفادار ہوں گے۔ اور اس کے باشندوں کے ساتھ غیر خواہی و بھلائی کا جذبہ رکھ سکتے ہوں گے۔ صاف بات یہ ہے کہ مرزائی مذہب انگریزوں کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے گھڑ لیا گیا تھا۔ اب انگریز کے چلے جانے کے بعد اگر ہم واقعہً سچے دل سے یہ سمجھتے ہوں کہ انگریز چلا گیا ہے، اس ملک میں اب مرزائیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ مرزائیت کو اب برداشت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم انگریزوں کے لگائے ہوئے پودے کو اکھاڑنا نہیں چاہتے۔ اور یہ ہماری خواہش ہے کہ ”آزادی“ ملنے کے باوجود ہم انگریزوں کے غلام رہیں اور ان کی

نہر ملی جڑوں کو لپٹے اندر باقی رہنے دیں۔ اور اگر ان مرزائیوں کو اب بھی خواہ مخواہ اصرار ہے کہ ہم یہ مذہب ترک نہیں کر سکتے۔ تو پھر زیادہ سے زیادہ رعایت اگر ان کے ساتھ کی جاسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ انہیں مسلمانوں سے علیحدہ ایک جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے۔ اور ایک اقلیت کی طرح ان سے معاملہ رکھا جائے۔ لیکن اس فرقہ کے مخصوص سیاسی رجحانات، ان کے مرکز عقیدت قادیان کا اثر دیکھ کے قبضہ میں ہونے اور گذشتہ سیباہ تاریخی کارناموں کی بنا پر ان کی سیاسی سرگرمیوں پر پھر بھی کڑی نگرانی رکھی جائے اور ان کو کسی اہم اور کلیدی محکمہ کے اختیارات حوالہ نہ کئے جائیں اگر ایسا نہ کیا گیا۔ اور مسلمانوں جیسے نام رکھنے کی وجہ سے انکو مسلمان سمجھ کر اعتماد کیا گیا تو یاد رکھا جائے آخر کار یہ غدار ثابت ہوں گے اور پتہ اسوقت لگے گا جب کہ پانی سر سے گزر گیا ہوگا۔

معلوم نہیں ہمارے ارباب اقتدار اور ”اوپرے طبقہ کے مسلمان“ ان حقائق و واقعات پر غور کیوں نہیں کرتے۔ ظفر اللہ خان کے ہاتھوں ٹھوکرین کھا رہے ہیں۔ لیکن صحیح حل سوچنے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی۔ عام مسلمانوں کو چاہئے کہ اس مطالبہ کو اس قدر عام اور ہمہ گیر و مضبوط کریں کہ ان اوپرے طبقے حملات تک یہ آواز پہنچ جائے۔ اور انہیں جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا جائے کہ خدا اور پاکستان کو ان غداروں سے بچاؤ!

افغانستان کا رویہ | نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ہمسایہ اسلامی ملک نے

پاکستان کے متعلق نہایت ہی غلط اور غیر اسلامی روش کافی مدت اختیار کی ہے۔ ضرورت تھی کہ نقاش پاکستان علامہ اقبال مرحوم کے قول کے مطابق ”نیل کے ساحل سے ایک خاک کا شجر“ تک تمام مسلمان حرم کی پاسبانی کے لئے ایک ہوتے۔ مگر اسلامی نظام حیات کو دعویٰ مسلمانوں کے باوجود ترک کر کے ہر ”اسلامی ملک“ نے یورپ کی جو تقلید شروع کی ہے اور اسلامیت کی بجائے

ہی ان گزگیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس لئے ان گزگیوں کو ادیبانہ اور پورے طور سے عکاس عبارتوں میں اچھا نہ پھیلانا اور فضا کو اور بھی گندہ بنانا ان ادب کے پیکلوں اور فن کاروں کے خیال میں ضروری ہے۔

احباب کی ایک مجلس میں اس ترقی پسند نژاد فحش ادب کا ذکر آیا۔ اور کچھ دوستوں نے اسکی مذمت کی۔ اس پر ہر ایک صاحب نے جو اس قسم کے فلمی رسالوں اور قلمی روسیوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ کہا کہ آفراس میں بُرائی کیلئے۔ اس قسم کے مضامین و مقالات لکھنے اور پڑھنے سے مقدم صرف زبان اور ادب کی خدمت ہے۔ کیونکہ کسی زبان کی وسعت۔ سمجھ گہری کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ اس میں ہر طرح کے واقعات و حقائق بیان کرنے والی عبارتیں موجود ہوں۔ اور ان فلمی رسالوں کے مضامین اور ادیبانہ مقالات میں تو صرف زندگی کے پیش آمدہ واقعات اور عوامی حیات کی دلنشین و پُر اثر تعبیرات ہوتی ہیں۔ یہ ایک کمال فن ہے۔ جس کو مبغوض سمجھنا ایک کمال کی ناقدری اور انتہائی دمی کا ثبوت ہوتا ہے۔ فحش و بے حیائی کی اس طرح و ستائش سننے کے بعد اس کو جواب اسے ت دیا گیا اس کو ہم یہاں خاتین کرام کی خدمت میں اپنی عبارت کی بجائے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دام اللہ بقائہ (ادیب پاکستان) کے الفاظ میں پیش کرنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ مولانا مودودی نے اپنی مشہور کتاب ”پردہ“ میں ایک جگہ بعینہ اسی قسم کے سوال و جواب کو اس طرح بیان کر دیا ہے۔

”کہا جاتا ہے کہ جن چیزوں کو تم شہوانی محرکات قرار دیکر تمدن کے دائرہ سے خارج کرنا چاہتے ہو۔ وہ سب آرٹ اور ذوق جمال کی جان ہیں۔ انہیں نکال دینے سے تمدن انسانی زندگی میں لطافت کا سرچشمہ ہی سوکھ کر رہ جائے گا۔ لہذا تمہیں تمدن کی

نسل و قومیت کو مارا مشترک و اتحاد ٹھہرایا ہے۔ اس کا اثر ہے کہ ان ممالک میں کوئی مضبوط اور حقیقی رابطہ و تعلق نہیں۔ اور سیاسی مفادات اور اقتصادی منافع کو مذہبی اور دینی تعلق پر ترجیح دی جاتی ہے۔ افغانستان بھی اسی مرض کا شکار ہے۔ اور اس لالچ میں کہ پاکستان کے خلاف رویہ اختیار کرنے میں اُسے کچھ فوائد حاصل ہو جائیں گے اُس نے تعلقات کو کشیدہ و غراب کرنا شروع کیا ہے۔ مدت سے کابل ریڈیو بخت خطرناک پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ اور سرحدی قبائل میں بھی اسکے ایجنٹ اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور قی یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے مدافعتی کارروائی میں جلد بازی نہیں کی اور پورے صبر و تحمل سے کام لیا۔ مگر وزیراعظم نے پاکستان اسمبلی میں تفصیل کیا تھا اس مسئلہ پر تقریر کی۔ اور اپنے امدادوں کا اظہار کیا۔ اور اس کے بعد ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ بھی جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہے۔ اور دن بہ دن یہ کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے۔ دو ہمسایہ اسلامی مملکتوں کی یہ جاہمی آویزش اور ایک دوسرے پر الزام تراشی اور بالکل غیر مصدقہ واقعات کی اشاعت و تشہیر نہایت خطرناک عواقب و نتائج پر منتج ہو سکتی ہے۔ ضروری ہے کہ جلد از جلد اس ناخوشگوار حالت کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخُوَيْكُمْ پر عمل کیا جائے اور دونوں بھائیوں کو ملایا جائے۔

ترقی پسند ادب | آج کل ہر بے حیائی اور فحش کو ترقی پسند ادب کے نام سے رسائل و اخبارات

میں شائع کیا جاتا ہے۔ بے باک اور خوف خدا سے بے نیاز ”ادیب“ ادب و فن کی خدمت اور آرٹ کے احیاء کے نام سے تہذیب و شرافت اور تقویٰ و طہارت کے تمام حدود کو پھاند جا یا کرتے ہیں۔ اور شوخ شوخ عبارتوں میں فحش مناظر اور بے حیائی کے کد ناموں کو بیان کر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی اصطلاح میں ادب کو زندگی کا بہترین عکاس ہونا چاہیے۔ اور چونکہ موجودہ دور کی ساری زندگی

حفاظت اور معاشرت کی اصلاح جو کچھ بھی کرنی ہے۔ اس طرح کرو کہ فنون لطیفہ اور جمالیات کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ ہم بھی ان حضرات کے ساتھ اس حد تک متفق ہیں کہ آرٹ اور ذوق جمال فی الواقع قیمتی چیزیں ہیں جنکی حفاظت بلکہ ترقی ضرور ہونی چاہئے۔ مگر سوسائٹی کی زندگی اور اجتماعی فلاح ان سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسکو کسی آرٹ اور کسی ذوق پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ آرٹ اور جمالیات کو اگر پھینکا پھولنا ہر تو اپنے لئے نشوونما کا وہ راستہ ڈھونڈیں جس میں وہ اجتماعی زندگی اور فلاح کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکیں۔ جو آرٹ اور ذوق جمال زندگی کے بجائے ہلاکت اور فلاح کے بجائے فساد کی طرف لے جانے والا ہو اُسے جماعت کے دائرے میں ہرگز پھیلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا جاسکتا۔ یہ کوئی انفرادی اور خانہ زاد نظر یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہی عقل و فطرت کا مقتضا ہے۔ تمام دنیا اسکو اصولاً تسلیم کرتی ہے۔ اور اسی پر ہر جگہ عمل ہو رہا ہے۔ جن چیزوں کو بھی دنیا میں جماعتی زندگی کے لئے ہلک اور موجب فساد سمجھا جاتا ہے۔ انہیں کہیں آرٹ اور ذوق جمال کی خاطر گوارا نہیں کیا جاتا۔ مثلاً جو لٹریچر فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری پر ابھارتا ہو اُسے کہیں بھی محض اسکی ادبی خوبیوں کی خاطر جائز نہیں رکھا جاتا۔ جس ادب میں طاعون یا مہیضہ پھیلانے کی ترغیب دجائے اُسے کہیں برداشت نہیں کیا جاتا۔ جو سینما یا تھیٹر امن شکنی اور بغاوت پر اکساتا ہو اسکو دنیا کی کوئی حکومت منظر عام پر آنے کی اجازت نہیں دیتی۔ جو تصویریں ظلم اور قساوت اور شرارت کے جذبات کی مظہروں یا جن میں اخلاق کے تسلیم شدہ اصول توڑے گئے ہوں وہ خواہ کتنی ہی کمال فن کی حامل ہوں کوئی قانون اور کسی سوسائٹی کا ضمیمہ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

جیب کترنے کا فن اگرچہ ایک لطیف ترین فن ہے۔ اور ہاتھ کی صفائی کا اس سے بہتر کمال شاید ہی کہیں پایا جاتا ہو۔ مگر کوئی اس کے پھیلنے پھولنے روادار نہیں ہوتا۔ جعلی ڈاٹ اور چمک اور دستاویزیں تیار کرنے میں حیرت انگیز ذہانت اور استعداد صرف کی جاتی ہے۔ مگر کوئی اس آرٹ کی ترقی کو جائز نہیں رکھتا۔ ٹھگی میں انسانی دماغ نے اپنی قوت ایجاد کے کیسے کیسے کمالات کا اظہار کیا ہے۔ مگر کوئی مذہب سوسائٹی ان کمالات کی قدر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ پس یہ اصول بجائے خود مسلم ہے۔ کہ جماعت کی زندگی، اس کا امن، اس کی فلاح و بہبود ہر فن لطیف اور ہر ذوق جمال و کمال سے زیادہ قیمتی ہے۔

اور کسی آرٹ پر اسے قربان نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اختلاف جس امر میں ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک چیز کو ہم جماعتی زندگی اور فلاح کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے ایسا نہیں سمجھتے۔ اگر اس امر میں ان کا نقطہ نظر بھی دہی ہو جائے جو ہمارا ہے تو انہیں بھی آرٹ اور ذوق جمال پر دہی پابندیاں عائد کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگے گی۔ جن کی ضرورت ہم محسوس کرتے ہیں۔

پس ہم چونکہ اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے طبقاتی کشمکش انارکزم، مادر پدر آزادی، بے حیاتی و عریانی، بے پردگی و تبرج جاہلیت، تھیٹر و سینما اور دور حاضر کی لعنتی تہذیب کے دوسرے شعبے انتہائی طور سے تباہ کن اور ہلک سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان چیزوں کے پھیلانے والے ”ترقی پسند ادب“ کو بھی ہم مضر اور مخرب اخلاق یقین کرتے ہیں۔ اگر پاکستان میں ایسے لٹریچر کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ جو اس ریاست سے بغاوت کی طرف رغبت دلانے والا ہو۔ تو پھر ایسے لٹریچر کو کیوں باقی رہنے دیا جاتا ہے۔ جو اس ریاست کے حاکم حقیقی اللہ تعالیٰ کے قوانین سے بغاوت کی طرف رہنمائی کرنے والا ہو اور قوم میں کفر و الحاد

اور فحاشی دے جیائی پھیلا رہا ہو۔ اگر جماعتی صحت کے بقا و تحفظ کے لئے پاکستان میں ایک مستقل محکمہ وزارت موجود ہے جو قوم کی صحت کی تدابیر و علاج سوچتی اور امرائے جماعتی سے بچانے کی کوششیں کرتی ہو۔ اور وہ قانوناً ہر فیہ و طاعون کو پھیلانے والے ادب کو روکتی ہے۔ تو اس سلامی مملکت میں روحانی صحت کے بقا و تحفظ کے لئے اور عمدہ اخلاق سے سنوارنے اور برے اخلاق سے بچانے کیلئے کوئی محکمہ تہذیب و اخلاق کیوں نہیں۔ جو قوم میں اسلامی اخلاق پیدا کرنے اور غیر اسلامی اخلاق کو دور کرنے کی انتھک جدوجہد کرے اور قوت و قانون کے ذریعہ سے اس ”ترقی پسند ادب“ کو روک دے۔ جس سے بد اخلاقی کی آبیاری ہوتی اور فحش و بے حیائی کے زہریلے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ قرارداد مقاصد میں جو اقرار کیا گیا ہے کہ حکومت ذمہ دارانہ طور سے تمام قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل و تنظیم قرآن و سنت کی روشنی میں کرے گی۔ انٹراس وعدہ کے پورا کرنے کیلئے کب اقدام کیا جائے گا۔ کیا اسلامی نظام برپا کرنے کے بعد بھی اسلامی زندگی کے نیچے کچھ آثار و علائم کو بھی مٹا دینے اور پوری فرنگی زندگی کا نقشہ صفحہ پاکستان پر نقش کرنے کے لئے طاغوتی قوتوں کو یوں کھلی چھٹی ملے گی۔ کہ وہ اب آرٹ، تہذیب و تمدن، مرد و عورت کی مساوات وغیرہ ناموں سے اپنا کام جاری رکھیں۔

مصر میں وفد پارٹی کی وزارت

مصر کی مشہور سیاسی جماعت وفد پارٹی کو مدت کے بعد پھر نمایاں کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں دوسری تمام سیاسی جماعتوں کو بہت ہی کم ووٹ ملے ہیں۔ جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مصر کے عوام میں کس قدر

انداز کے خیالات پرورش پا رہے ہیں۔ اور ان کا سیاسی اور مذہبی رجحان کیا ہے۔ جہاں تک سیاسی طور سے حریت فکر و نظر کا تعلق ہے وفد پارٹی کی پوزیشن دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں بہت اچھی ہے۔ اور وہ انگریزوں اور دوسری مغربی اقوام کے استیلا و تغلب سے بالکل بچنا چاہتے اور خود مختار حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس حیثیت سے وفد پارٹی کی یہ کامیابی رائے عامہ کی صحیح سیاسی بصیرت پر وال ہے۔ اور خوشی کا مقام ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مذہبی لحاظ سے وفد پارٹی کے ارکان اس معیار پر پورا نہیں اترتے ہیں جو کسی مردِ مومن و مسلم کا معیار ہو سکتا ہے۔ انگریزوں اور یورپی اقوام سے آزاد ہونے کا جذبہ رکھنے کے باوجود قلب و نظر اور ذہنیت کے اعتبار سے وہ یورپ کے غلام ہیں۔

انتخابات میں منتخب ممبروں کی حیثیت دودھ میں سے نکلے ہوئے مکھن کی ہوتی ہے۔ اگر مکھن زہریلا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دودھ میں پہلے سے کوئی زہر سرایت کر چکا تھا۔ یورپ زدہ لوگوں کا الیکشن کے ذریعہ سے برسرِ اقتدار آ جانا اس بات کی علامت ہے کہ مصری عوام بھی یورپی تہذیب و تمدن اور اس طریق زندگی سے کافی طور سے متاثر ہو چکے ہیں۔ اور وہ بھی اس ڈگر پر چلتے اور چلنا چاہتے ہیں جس پر ان کے ہمسایہ ملک یورپ کے زن و مرد چل رہے ہیں۔ اس قسم کے بہت سے اور واقعات بھی عربی اخبارات کے ذریعہ سے معلوم

ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں محترم مولانا ابوالحسن علی ندوی زید مجاہد کے ایک درد مندانہ مضمون کا یہ اقتباس قارئین شمس الاسلام کے اضافہ معلومات کے لئے پیش کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا محترم رسالہ الفرقان بابت ماہ محرم ۱۹۷۸ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ

”چھپہ دینیہ مصر میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس میں ہمارے

لئے بڑی بھرت اور دین کے خدمت گزاروں کے لئے سیکھنے کے بہت سے سبق ہیں۔ مصر ترقی کے بعد عالم اسلام میں نئی اصطلاح کے مطابق سب سے زیادہ ”روشن خیال و آزاد“ اور مغربی تہذیب و تمدن کا پرچم پروردگار اور کامیاب مثال ہے۔ عورتوں کی آزادی اپنے مشرقی و اسلامی حدود سے کہیں آگے گذر چکی ہے۔ مخلوط تعلیم بے پردگی یورپ کے مقابلہ حسن میں شرکت تعلیمی و خود (بجائے) میں رفاقت اور اعلیٰ تعلیم کے لئے طالبات کا یورپ کا سفر و زمرہ کے واقعات میں سر ہے۔ جن پر اب بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔ سیاسی و تعلیمی زندگی میں ورزشوں اور تفریحات میں طبقہ انات طبقہ ذکر کے دوش بدوش ہے۔ نیم برہنہ لباس، ساحل سمندر کا غسل شمسی، فلم کمپنیوں میں تمثیل (اکٹنگ) اور مصری روزناموں اور رسائل کی عریاں تصویریں۔ روانہ زندگی کے ایسے واقعات ہیں جن پر چند باجمیت مسلمانوں اور بعض دینی جماعتوں کے سوا کوئی چیں بہ جبین نہیں ہوتا۔ نگاہیں ان تمام مناظر کی عادی، اور ذہن ان تمام واقعات کا خوگر ہو چکا ہے۔ اب ان میں استعجاب کا کوئی پہلو اور اعتراض کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ قاسم امین نے المرأة المصرية کے ذریعہ مصر کی شاداب زمین میں جو بیج ڈالے تھے اور سیاسی جماعتوں اور قائدوں نے اپنے سیاسی مصالح سے انکی آبیاری اور مصر کے ادیبوں اور افسانہ نگاروں نے ان کی پرورش کی تھی وہ کھیتی اب پک کر تیار ہوئی ہے۔

اس عرصہ میں حسین نسری پاشا کی عبوری وزارت بنتی ہے اور وزارت تعلیم کا قلمدان احمد مرسی بدرجہ کے سپرد ہوتا ہے۔ یہ صاحب یقیناً مصر کے جدید تعلیم یافتہ اشخاص میں سے ہونگے۔ جنہوں نے مصر اور یورپ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہوگی۔ اس لئے کہ ایک بڑی سیاسی پارٹی کا نمائندہ اور

ایک ترقی یافتہ ملک کا وزیر تعلیم کوئی قدیم عالم یا معمولی تعلیم یافتہ آدمی نہیں ہو سکتا معلوم نہیں مصر کی حد سے بڑھی ہوئی ہے حجابی اور اخلاقی اسطاط سے وزیر صاحب کا دل کب سے دکھا ہوا تھا۔ اور کتنے عرصہ سے وہ موقع کے منتظر تھے کہ انہوں نے وزارت تعلیم کی ذمہ داری سنبھالتے ہی چند نہایت اہم احکام صادر کئے۔ جنہوں نے سارے ملک کی نگاہیں اور توجہ ان کی طرف منطوف کر دیں۔ اور سارے مصر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ انہوں نے سب سے پہلے ایک محلہ کو اس جرم میں طلاق سے برخواست کر دیا کہ اس نے حلقی ہوئی ٹرین میں بعض نو جوانوں کی فرمائش سے رقص کیا تھا۔ سابق وزیر تعلیم نے محلہ پر معمولی سا جواز کیا تھا۔ وزیر صاحب کی نگاہ میں یہ فعل خلاف اسلام اور غیر اخلاقی تھا۔ اور ایسی محلہ فرائض تدریس و تربیت ادا کرنے اور مسلمان لڑکیوں کے لئے نمونہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے وہ اپنے معزز عہدہ پر برقرار رہنے کے قابل نہیں تھی۔ اسی کے ساتھ انہوں نے تمام تعلیم گاہوں کے منتظمین کے نام حکم جاری کیا کہ معلمات و طالبات کو ایسے لباس میں آنے کی اجازت نہ دی جائے جو غیر ساتر ہو۔ مدرسہ کی اُستانیوں اور طالبات کو ہدایت کی جائے کہ مدرسوں میں آنے کے وقت انکی قمیصوں کی آستینیں لائیں اور لباس ڈھیلا ڈھالا ہو۔ اور ہدایت کی کہ سختی کے ساتھ اس حکم کی پابندی کی جائے۔

تیسرا حکم جس نے مصر کے ترقی پسند حلقوں میں سب سے زیادہ غم و غصہ اور ناراضگی کی لہر پیدا کی، یہ تھا کہ آئندہ سے مصر کی طالبات اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ نہیں جائیں گی۔ اسلئے کہ نوجوانوں کے ساتھ یورپ کا سفر اور وہاں کا قیام اخلاقی حیثیت سے سخت قابل اعتراض اور مشتبہ ہے۔ اس حکم نے آگ پر تیل کا کام دیا۔ اور سارے مصر میں ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا۔ مصر کا ترقی پسند اور آزاد خیال پریس وزیر صاحب کی جان کو لگایا۔

ادیبوں اور نوجوانوں نے اس رجعت پسند اور تاریک خیال وزیر کے خلاف ”مقدس جنگ“ شروع کر دی۔ در یہ شفیق جیسی بے حجاب مقرر خواتین نے ”مظلوم مصری عورت“ کی حمایت کا علم بلند کیا۔ ڈاکٹر طہ حسین بے نے جو جدید طبقہ کے مقبول ادیب اور مصنف ہیں۔ پریس میں بیٹھ کر مصر کے ”الاکھلام“ میں اس رجعت پسندانہ اقدام کے خلاف مسلسل مضامین لکھے اور مصر کی عالمی شہرت اور اس کی ترقیوں کا واسطہ دیکر اس قدامت پرستی سے باز آنے کی تبلیغ کی۔ غرض معلوم ہوتا تھا کہ شاید مصر نے کوئی نہایت خطرناک قدم اٹھایا ہے۔ یا خود کٹی کارا وہ کیا ہے۔ یا برطانوی سامراج کو دوبارہ دعوت دی ہے۔ پورے مصر میں صرف چند سنجیدہ اشخاص اور ”شباب سیدنا محمد“ جیسی خالص دینی جماعت نے وزیر تعلیم کے ان احکام کی حمایت اور ان کی اخلاقی جرأت اور دینی خدمت کی تحسین و ترحیب کی۔ اور ان کو مبارکباد کے تار بھیجے اور انکی تائید میں مضامین شائع کئے۔

وزیر تعلیم احمد مرسی بدر بے اس طوفان کے مقابلہ میں اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ اور انہوں نے پامردی اور جرأت سے اسکا مقابلہ کیا۔ قریب تھا کہ یہ سرکاری احکام اور وزیر تعلیم کی استقامت مصر کی تعلیمی و تمدنی زندگی پر نیشگوار اثر ڈالے اور جیٹائی و بے حجابی کے سیلاب میں کسی حد تک پشتہ کا کام دے۔ اور رفتہ رفتہ غم و غصہ میں سکون پیدا ہو۔ اور ان نئے احکام سے فائدہ حاصل ہو۔ لیکن خدا بھلا کر اس جمہوری نظام کا جو کسی کام کرنے والے کو بھی پورے طور پر کام کرنے کا موقع نہیں دیتا۔ اور جس نے انسانوں کی سنجیدہ مملکت کو بچوں کا گھر دنا بنا دیا ہے جو کسی ایک حال پر نہیں رہنے پاتا۔ آنے والے انتخابات کے سلسلے میں کسی اختلاف کی بنا پر وزارت نے استعفاء دیا۔ نئی وزارت بنی۔ اور احمد مرسی بدر بے کی جگہ پر نئے وزیر تعلیم منتخب ہوئے۔

نئے وزیر صاحب نے سب سے پہلے اپنی ترقی پسندی اور آزاد خیالی کا ثبوت دیا۔ اور وزارت تعلیم میں قدم رکھتے ہی پیشرو وزیر کے سب احکام منسوخ کئے۔ اور مصر کو وہ تمام آزادیاں محبت فرمائیں جو اس کو پہلے حاصل تھیں۔ عورتوں اور ان کے ”حُجرت گواہوں“ نے اپنی مسرت و رضامندی کا پر جوش مظاہرہ کیا۔ اظہار مسرت کے لئے جلوس نکلا۔ جلسے ہوئے اور آئینہ کے لئے بھی یہ ظاہر کر دیا گیا کہ کسی وزیر کو رائے عامہ کو ناراض کرنے کی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ اور اپنے کو غیر مقبول نہیں بنانا چاہئے۔ اس طرح گویا مرسی بدر بے اور ان کے ہم خیالوں کے لئے کسی حلقہ سے منتخب ہونے اور وزارت میں آنے کے امکانات بھی کم رہ گئے۔ اور ظاہر ہو گیا کہ مصر کا مقبول خیال کیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مصر کی سب سے بڑی طاقتور سیاسی جماعت وفد پارٹی برابر اعلان کر رہی ہے کہ وہ اپنی حکومت میں مصری عورتوں کے حقوق کی پوری حمایت و حفاظت کر لگی اور سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ ان حقوق کے حدود کیا ہیں۔

مصر کے ان واقعات سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہماری غفلت نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو دین سے کس قدر بیگانہ اور اسلامی تہذیب سے نہ صرف نا آشنا بلکہ متنوش بنا دیا ہے۔ اور جدید نظام تعلیم و تمدن نے مغربی نظریات و افکار کا کس قدر حلقہ بگوش اور پرجوش حامی بنا دیا ہے۔ اپنی تعلیمی صلاحیتوں، عصری واقفیت اور سیاسی جدوجہد کی وجہ سے آج ہی طبقہ تمام عالم اسلام میں ہر اسلامی ملک کی دستوری سیاسی اور تعلیمی زندگی پر حاوی اور حکومت کی کرسیوں پر فائز ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کا قانون معاشرت و سیاست ان تمام ممالک سے بے دخل ہے۔ اور باوجود مسلمان حکومتوں کے اسلامی نظام معاشرت و تمدن کے لئے ان ممالک میں کوئی

جگہ نہیں۔ قوم کا ذوق اتنا غیر اسلامی ہو چکا ہے۔ کہ اسلام کے اخلاقی و معاشرتی اصلاحات اور ضوابط اسکی قوت برداشت سے باہر اور اس کے ذہن کے لئے ناقابل ہضم ہیں۔ ترکی، مصر، شام، عراق، افغانستان، ایران اور پاکستان سب جگہ وہی طبقہ برسر اقتدار ہے جو خالص مغربی تہذیب و تعلیم کا پروردہ اور اپنے ذہن و ذوق کے لحاظ سے ٹھیکہ مغربی ہے۔ اس کو جب کبھی اپنے صحیح خیالات اور ذوق کے اظہار اور انہماک قانون سازی کا موقع ملتا ہے وہ اپنی مغربی روح اور اصلی رجحانات و معتقدات کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ ہمارے مذہبی گروہ کو اس موقع پر صدمہ جی ہوتا ہے احتجاج بھی۔ حالانکہ کم سے کم احتجاج کا کوئی موقع نہیں۔ یہ طبقہ قلبی و دماغی طور پر اسلام اور اس کی تہذیب سے جس حد تک غیر متاثر اور اندرونی طور پر غیر معتقد رہا ہے۔ اس کا قدرتی و لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا۔ جب اس طبقہ کا دل و دماغ ڈھل رہا تھا۔ اور اس کے ذہن و طبیعت کا سانچہ تیار ہو رہا تھا۔ تو اس وقت اسلامی اثرات کہیں آس پاس بھی نہ تھے۔ کوئی چیز ان کے پاس ایسی نہ آنے پائی جو ان کے دل و دماغ پر اسلامی تعلیمات کی عظمت کا نقش قائم کرتی۔ اور اس کی وقعت ان کے دل میں میں پیدا کرتی۔ اب جب وہ اقتدار کی کرسی پر آگئے اور ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آئی تو ہم ان سے توقع کرتے ہیں کہ وہ اپنے ذہن و اپنی ساری تعلیم و تربیت اور اپنے عمر بھر کے خیالات اور ذوق کے خلاف کسی دینی ادارہ یا جماعت کی مرآت سے ایک اسلامی ضابطہ معاشرت یا اخلاقی قانون کو نافذ کریں۔ یا اس قانون کو جو اتفاقاً باقی رہ گیا ہے یا نافذ ہو گیا ہے منظور کریں۔ اس لئے اہم ترین کام یہ ہے کہ اس طبقہ کا ذہن بدلنے کی امکانی کوشش کی جائے۔ اور اس کو ذہنی و علمی و قلبی طور پر دین سے متاثر کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور جو طبقہ

مستقبل میں اس کی جگہ لے گا۔ اس سے غفلت برتنے کا دوبارہ جرم نہ کیا جائے۔ اور ابھی سے اس میں اسلامی ذہن پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ الخ

مولانا ابوالحسن علی زید مجدہم کا یہ مضمون نہایت درد مندانہ عبرت انگیز اور چند حقائق کی طرف توجہ دلانی والا ہے۔ اس لئے ہم نے اس کا طویل اقتباس کر دیا۔ اس کے بعد مصر کے انتخاباً ہوئے ہیں اور ”عورتوں کو حقوق“ دینے اور روشن خیال مصر کو ترقی دینے کا اعلان کر کے وفد پارٹی پارٹی نے نمایاں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ نحاس پاشا کی قیادت میں جو نئی وزارت مرتب ہوئی ہے۔ اس میں وزیر تعلیم اسی ڈاکٹر طلحہ حسین بے کو وزیر تعلیم مقرر کر دیا گیا ہے۔ جو مصر کے جدید طبقہ اور مغرب زدہ گروہ کے مقبول ادیب..... ہیں۔ اور جس نے احمد رسی بدرجے کے ”رجعت پسندانہ اقدام“ کے خلاف پیرس میں ٹیچہ کر مصر کے مشہور روزنامہ الاہرام میں مسلسل مضامین لکھے تھے۔ ڈاکٹر طلحہ حسین پیدائشی نابینا ہیں۔ اور یہ ان کی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ بینائی سے محروم ہونے کے باوجود ادب و انشا میں انہوں نے یہ مقام حاصل ہے۔ کہ ان کو مصر کا ممتاز آدمی شمار کیا جاتا ہے۔ اور شاید یہ پہلا واقعہ ہے کہ ایک نابینا شخص کو قلمدان وزارت سپرد کیا گیا۔ اور اسے مصر جیسے شاداب و آباد سر زمین کا وزیر تعلیم بنایا گیا۔ مگر اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مصر کے عوام نے اپنی آزاد خیالی و آزاد روی اور ملک کو یورپ کے رنگ میں رنگنے کے لئے وفد پارٹی کو نمائندہ بنایا۔ اور چونکہ تعلیم کے تیزاب ہی میں کسی قوم کی خودی ملائم ہو سکتی ہے۔ اور پھر جدھر جا ہا جا موڑی جا سکتی ہے۔ اس لئے اپنی متزلزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ضرورت تھی کہ وہ نظام تعلیم ایک ایسے شخص کے سپرد کر دے جو نہ نالان قوم کے ذہنوں کو منحرف کرنے کی خوب تدبیریں

بھی تو ایک اسلامی ملک ہے۔ بلکہ ”فتح الاسلام“ لیکن دہان پر بھی عورتوں کی بے پردگی ہے۔ مخلوط تعلیم ہے۔ بازاروں، سیناں، قہیڑوں میں مرد و زن کا اختلاط اور بے حجابانہ میل جول ہے۔ اس لئے پاکستان میں بھی اگر اس ”مسادات“ کو عام کیا جائے تو کیا حرج ہے۔ بلکہ یہ تو عین اسلام ہے۔ اگر حقیقت میں یہ کوئی دلیل نہیں۔ ہم نے انفرادی طور سے بھی اور اب ”قرارداد مقنا“ کے ذریعہ اجتماعی طور سے بھی کتاب و سنت کے مطابق اپنی زندگی کی تشکیل کا وعدہ کیا ہے۔ ترکی اور مصر یا کسی دوسرے ملک کی اقتدا و اتباع کا اقرار نہیں کیا اور نہ کرنا چاہتے۔ لیکن بہر حال مخالفین ڈالنے اور ناواقفوں کو دھوکہ دینے کے لئے پھر بھی یہ لوگ یہ کہتے ہوئے شرارتیں نہیں۔

اسلامی حکومت کیسی ہوتی ہے | محترم وزیر اعظم پاکستان

علی خان صاحب نے دورہ سرحد کے موقع پر ریاست امب کے صدر مقام در بند میں ایک تقریر کی۔ جس میں انہوں نے فرمایا کہ ”ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اسلامی حکومت کی نشانی بتلا دی ہے کہ اُس میں کوئی شخص صدقہ و خیر لیکر نکلے اور تلاش کرتا جائے کہ مجھے کوئی ایسا مفلس و محتاج مل جائے کہ میرا یہ صدقہ قبول کرے تو اُسے کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ کیونکہ سب مستغنی ہونگے۔ اور کسی کو صدقہ قبول کرنے کی ضرورت نہ ہوگی“ واقعی ایک حدیث سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنیولے ایک ایسے دور کے متعلق پیشین گوئی فرمائی ہے۔ خلفاء راشدین کے دور میں میں ایسا ہوا بھی ہے۔ اور بمصدق حدیث حضرت مدی علیہ السلام کا زمانہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ لیکن کیا اب ہماری اس اسلامی حکومت پاکستان میں بھی یہ نشانی پائی جاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اب فوراً ہی یہ علامت موجود ہونی چاہیے۔

سوچ سکتا اور اپنے ادب و انتشار کے زور سے سمجھا سکتا ہو۔ وزیر تعلیم بن جانے کے بعد ڈاکٹر طرہ حسین مصر کو کس راستہ پر چلائے جائے گا۔ اُس کا اندازہ اُس کی ایک کتاب ”مستقبل الثقافۃ فی مصر“ سے ہو سکتی ہے۔ جو ۱۳۳۵ء میں اُس نے لکھی اور اپنا عندیہ کھول کھول بیان کیا۔ اس کتاب کے چند اقتباسات شاید ہم آئندہ کسی اشاعت میں نقل بھی کر دیں۔ لیکن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مصر کو مشرقی ممالک میں داخل ہی نہیں ماننا۔ بلکہ ثابت کرتا ہے کہ مصر مغربی (یورپی) ممالک میں سے ہے۔ لہذا تہذیب و تمدن، معاشرت و سیاست وغیرہ تمام امور میں اُس کو یورپ کے ممالک کی طرح ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں اُس نے جامع ازہر کے نظام تعلیم، نصاب، طریق تدریس وغیرہ متعلقہ امور پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔ اور شکایت یہ کی ہے کہ اس نظام تعلیم میں دینیات کی طرف زیادہ توجہ دیا جاتی ہے۔ اور وہاں کے طلبہ جدید تقاضوں یعنی یورپ کے تمدن و تہذیب کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کو پورا نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اب تک عموماً نڈر طبقہ اور متقی علماء کو ازہر کے متعلق یہ شکوہ تھا کہ وہ اسلاف کے طرز و انداز کو چھوڑ کر نئے رنگ میں طلبہ کو رنگیں کر رہے ہیں۔ اور ازہر کے فضلاء میں آزاد خیالی اور اسلاف کی روایات سے کچھ ذہنی بغاوت سی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ جملہ حسین کو وہ مذہبیت کسی درجہ میں بھی گوارا نہیں۔ اور اس لئے اس کتاب میں اُن پر بہت برے ہیں۔

الفرض ان حالات و واقعات اور ایسے قائدین قوم کی رہنمائی کی وجہ سے مذہبی لحاظ سے مصر کا مستقبل تاریک نظر آ رہا ہے۔ ہم کو دکھ اس لئے بھی ہو رہا ہے کہ ایک اسلامی ملک اور اس کے فوجیان اسلام سے کفر و الحاد کی آغوش میں کیوں جا رہے ہیں۔ اور اس لئے بھی ان واقعات کی بنا پر ناگزیر و انقباض ہے کہ پاکستان کا مغرب زدہ طبقہ اپنی فرنگیت اور یورپی معاشرت کی اشاعت کے جواز میں اس دلیل کو بھی استعمال کر رہا ہے۔ کہ دیکھئے مصر

المخلوقات انسان کو پیٹ بھرنے کے لئے نان جو میں میسر نہیں۔ اور سردی گرمی سے بچانے کے لئے مٹی سے بنے گھر کا معمولی کپڑا بھی حاصل نہیں۔ جس مقام پر وزیر اعظم صاحب نے ایک پر تکلف دعوت کھانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اُس پوری ریاست کی عوام آبادی کس تباہ حالی کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ اس پر اور اس کی وجوہات پر بھی غور کرنے کی ضرورت تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے وزیر اعظم صاحب اسلام اور اسلامی حکومت کے بارے میں کتنی ٹھیکہ ہیں لیکن جہانگیر علی کا تعلق ہر دوسروں کی طرح وہ بھی طرف تسمہ کی طرف شاہین بنجھتے۔ خدا کر کہ تولیٰ علی بن جائے۔

بلکہ ایسی اسلامی حکومت کی طرف کچھ بالکل ابتدائی اور سرسری اقدام بھی ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم صاحب صدقہ و خیرات کے لئے نکلے نہیں اپنے دولت کردہ ہی پر خیرات بانٹنے کا ایک معمولی سا اعلان کر دیں۔ پھر دیکھیں کہ کتنے لاکھ قبول کرنے والے حاضر دربار ہو جائیں گے۔ یہاں کامعاشی توازن بہت بگڑا ہوا ہے۔ ایک کے پاس ماکل و مشارب کے ذخیرے ہیں اور الوان و اصناف کے کھانے ہیں اور وہ یہ سوچ رہا ہے کہ یہ کیسے کھائے۔ اور دوسرا پریشان حال سوچ رہا ہے کہ کیا کھائے۔ ایک طرف کتوں کو کھن کر کھلایا جاتا اور نخل پہنایا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اشرف

در عمل

(طالوت)

ملتے رازندگی پیدا کنید
خود شناسی خود گری پیدا کنید
گفتہ اش اسروری پیدا کنید
دیں پذیرید ابلہی پیدا کنید
ہستری و ہستری پیدا کنید
ای جواناں بے سری پیدا کنید
باسکوں دبستگی پیدا کنید

بے خودیہا، نے خودی پیدا کنید
خود فراموشی ست نوع خود کشی !
سروری بخش است رب دو جہاں !
دین و دانش را اگر آویزش بود
تا بکے داد کمال کستری !
سرفدائے آبروئے شرع بہ
زندگی شور بہت صبر و صلوة

شعبا شد تابع آئین رب
اعتبار شاعری پیدا کنید

اسلام اور پاکستان کی بیکار

مسلمانانِ پاکستان کیلئے ایک لمحہ فکریہ

اس دورِ خطر کی ہواؤں پہ غور کر !! یارانِ سُست رُو کی اداؤں پہ غور کر
تاریخِ انقلاب اُمم پر نظر اٹھا !! ٹوٹے ہوئے دلوں کی دعاؤں پہ غور کر

(اداس)

مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان اور منصبِ امامت پر فائز تھے تو انسانیت
ہر طرح فائز للرام و شاد کلام تھی۔ اور جب وہ اسلام کی مراعاتِ مستقیم سے
ہٹ گئے تو انسانیت ہر طرح ذلیل و خوار ہو کر رہ گئی۔ اور اس پر
حیوانیت غالب آ گئی۔

اپنے عروج و زوال میں مسلمانوں کی خصوصیت

مطلب یہ کہ امتِ مسلمہ سے پہلے اقوام و ملل عالم کا عروج و زوال
ہر قوم و ملت کا اپنا اپنا عروج و زوال تھا۔ مگر امتِ مسلمہ کا عروج و زوال
انسانیت کا عروج و زوال ہے۔ اس لئے کہ یہ امتِ آخری امت ہے۔ ان
کا خدا رب العالمین، ان کا رسول خاتم النبیین اور ان کا قرآن ذکر الٰہی
للعالمین ہے۔ ان کو منصبِ امامت سونپا گیا تھا۔ اور انکو اقوامِ عالم کا
نگران و ہادی بنا یا گیا تھا۔ یہ مرتبہ و منصب مسلمانوں سے پہلے کسی
اور کسی قوم کو نہیں ملا تھا۔ اس لئے جب وہ بگڑ گئے تو دنیا بگڑ گئی۔ اور
اگر یہ اصلاح پر آجائیں تو بھٹکی ہوئی انسانیت راہِ راست پر آجائے۔
جب تک مسلمان اسلام کی مراعاتِ مستقیم پر قائم نہ ہوں گے دنیا
و اسے یونہی بھٹکتے اور تباہ و برباد ہوتے رہے گی۔ اقوامِ عالم کی مگر ہیوں

اس پورے دنیائے نہ معلوم کتنی قوموں اور کتنی امتوں
کا عروج و زوال، بننا بگڑنا، اٹھنا گرنا اور ذلیل و مخز ہونا دیکھا
ہے۔ اس تغیرِ فیر اور انقلابِ بداماں دنیائے ہیشمار انقلاب دیکھے
ہیں۔ مگر ان میں سب سے زیادہ عجیب العقول انقلاب مسلمانوں کا عروج
و زوال ہے۔ جو اپنی نظیر آپ ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں مسلمانوں کو غیر لام
کے منصبِ عظمیٰ پر فائز کیا گیا تھا، ان کو شہداء علی الناس بنا یا گیا تھا اور
ان کے عروج و زوال سے انسانیت کا عروج و زوال وابستہ تھا۔ جب تک
وہ برسرِ عروج و اقتدار رہے اس وقت تک دنیا تہذیب و شائستگی، علم و
ہنر، حق و صداقت، عدل و انصاف اور امن و راحت سے بھرپور رہی اور
جب وہ رو بہ زوال ہو گئے اور اپنے موقف سے گر گئے تو دنیا ان چیزوں
سے محروم ہو گئی۔

تہذیب و شائستگی نے وحشت و بربریت کی صورت اختیار
کر لی۔ علوم و فنون تباہی و بربادی کے لئے وقف ہو گئے۔ حق و صداقت
کی جگہ مادہ پرستی، افادیت پسندی، نفس پرستی، ابنِ الوقتی اور زمانہ
سازی نے لے لی، عدل و انصاف کے پردے میں ظلم و جور اور جبر و استبداد
مستور ہو گیا۔ اور امن و راحت کا وجود پوری دنیا میں مٹتا ہو گیا۔ یعنی جب

غریبوں اور دنگھوں کا علاج صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ اور کسی کے پاس نہیں۔ مادی آسائش اور روحانی تسکین کا سامان وہی رکھتے ہیں اور کوئی نہیں۔ اور دنیا کو امن و راحت صرف مسلمان ہی دے سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔

مسلمانوں کے عروج و زوال کا واحد سبب

امت مسلمہ کی مذکورہ بالا امتیازی شان و برتری کے بعد یہ بھی جان لینا اور سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے عروج کا واحد سبب قرآن حکیم کے صحیح علم و عمل کا مالک ہونا تھا۔ اور اسی طرح ان کے زوال و انحطاط کا واحد سبب بھی اس علم و عمل سے محرومی ہے۔ کیونکہ قرآن ہدایت ہے، فرقان ہے، نور ہے، رحمت ہے اور شفا ہے۔ سرمہ چشم بصیرت ہے۔ انسانیت کی بہتر اور جمیل تصویر و تفسیر ہے۔ تمام روحانی امراض کا معالج ہے۔ اخلاقی ارتقا اور مادی برتری کا ضامن ہے۔ اس لئے اس کا صحیح علم و عمل نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام انسانوں کے لئے سرایہ رشد و ہدایت اور موجب فلاح و کامرانی ہے۔ جب مسلمان قرآنی علم و عمل کے مالک تھے تو سب کچھ تھے۔ جب اس کو کھو دیا تو کچھ بھی نہ رہے۔

موجودہ مسلمانوں کی حالت | اس وقت مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے کہ

قرآن پاک اُن کو جن کمزوریوں، ذلتوں، ناکامیوں، برائیوں اور محاسبے پاک کرنا چاہتا ہے۔ وہ تو پوری جامعیت کے ساتھ ان کی زندگیوں میں موجود ہیں۔ اور جو خوبیاں، کمالات اور محاسن اُن میں پیدا کرنا چاہتا ہے ان کا مسلمانوں میں پتہ تک نہیں۔ ان کا سارا اسلامی جسم ٹٹول کر دیکھ جلیٹے کمبیں بھی صحت و عافیت اور قوت و توانائی کا نشان نہیں ملتا۔ ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا رُواں رُواں درد سے بے گل اور بے چین ہے۔

”تن ہمہ داغ داغ شد پنہ کجا کجا نسیم“

ہم نے یہ جو کچھ عرض کیا ہے۔ یہ حالت و نقشہ دین و اخلاق کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ مادی اعتبار سے وہ میدان ہو رہے اور سنبھل رہے ہیں۔ بفضل الہی اکثر ممالک کے مسلمان آزاد ہیں، خود مختار ہیں، معدنیات سے بھرپور اور سرسبز و شاداب زمینوں کے مالک ہیں۔ اپنی فوجی قوتوں پر ناناں ہیں، معاشی خوشحالیوں کے خواب دیکھ رہے ہیں، تعمیر و ترقی کے شاندار اور جاذب توجہ پروگرام بنا رہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ انکی یہ سیاسی آزادیاں اور معاشی خوشحالیاں ائمہ کفر و ضلالت کے رحم و کرم سے وابستہ ہیں۔ خدا کے باغیوں اور مذہب و اخلاق کے دشمنوں کے سہارے جی رہے ہیں۔ کہ اپنے دشمنوں کی تازہ کاری کریں۔ اور زندگی کے مزے لوٹیں۔

ان کے علم و عقل، عزت و شہرت، اثر و اقتدار اور دولت و حکومت والے خوش قسمت مسلمانوں کو اسکی پرواہ نہیں کہ دین جاتا ہے یا رہتا ہے، اخلاق کتنے ہیں یا بگڑ رہے ہیں۔ اصلاح کیا چیز ہے؟ افساد کسے کہتے ہیں؟ مسلمانوں کا اصل منصب کیا ہے؟ اسلام کی دعوت اور اس کا مطالبہ کیا ہے؟ خدا راضی ہوتا ہے یا ناراض؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی چاہئے یا بغاوت؟ ہماری عاقبت بن رہی ہے یا برباد ہو رہی ہے اور اسلام ایک مذہب ہے یا دین؟ انہیں تو اگر کچھ فکر ہے تو بس یہ کہ بہر حال اُن کا اثر و اقتدار قائم رہے۔ ان کی زندگی راحتیں خنجر و میں نہ پڑیں۔ ان کے حزروں میں نخل نہ آئے اور ان کے وہ آقا جنہوں نے انکو عزت و اقتدار کی گدیوں پر بٹھایا ہے وہ ناراض نہ ہو جائیں۔ ان اللہ کے بندوں کو اپنے با اقتدار اور محسن آقاؤں کے سامنے یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ ہم اپنے یہاں اسلامی نظام رائج و استوار کریں گے۔

اللہ اللہ مسلمانوں کی کتنی بدقسمتی اور رسوائی ہے کہ وہ جہاں بھی ہیں اختیار و اجانبہ کے محتاج، دوست نگر نہیں۔ ان کی خوشامد

امانت دار ٹھہرے تھے کہ دنیا میں غیر اسلامی نظاموں کی ترقی و کامیابی دیکھیں اور اسلامی نظام کی بے وقعتی کا سامان ہوتا ہوا گواہیں اور لمبی تان کر سو جائیں۔ یا اگر ہوش میں آئیں تو عمودوں، دھڑاتوں، ممبروں، ملازمتوں، دکانوں، زمینوں، مکانوں، دولتوں اور عورتوں کے عشق میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جائیں۔ عیاشیوں، بدکاریوں اور غفلتوں میں کھوئے جائیں۔

کیا ابھی مسلمانوں کیلئے وقت نہیں آیا

کہ وہ اسلام کی طرف آئیں، اپنی فکر و نظر، علم و بصیرت عقائد و افکار، ذہنیت و سیرت، صورت و لباس، عادات و خصائص، علوم و فنون، تمدن و سیاست، تہذیب و معاشرت اور تجارت و زراعت وغیرہ تمام امور کو اسلامی اصول و قوانین کے مطابق بنائیں۔ خدا کی نافرمانیوں سے باز آجائیں، بدعات و منکرات کا سیلاب روکیں، عیاشی و بدکاری، خود غرضی و نفس پرستی، باہم آویزی، رشوت خیانت، بددیانتی، اقربا پروری، سفلہ مزاجی، بلیک مارکیٹ جھوٹ، فریب اور عیاری کا بازار ٹھنڈا کر دیں۔ معصیت شکاری کا منہ کالا کر دیں، نفس و شیطاں کے آہنی پنجے کو توڑ کر رکھ دیں، بے پردگی، بے حیائی اور فحاشی کا ناطقہ بند کر دیں اور دنیا دیکھ لے کہ یہ ہے وہ پاکستان جس کی بنیاد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر رکھی گئی تھی۔

اگر مسلمانوں نے اسلام اور پاکستان کی اس دعوت و پکار کو سن کر اپنی زندگی کا رخ اسلام کی طرف کر لیا تو پھر دنیا کی وہ برسرِ اقتدار طاقتیں جو حق و صداقت، عدل و انصاف اور مذہب و اخلاق کو اپنی قوت سے دبائے بیٹھی ہیں۔ پاکستان اور مسلمانوں کے سامنے کھٹنے نہ ٹیک دیں تو

وچا پلوس اور خوشنودی درخما مندی پر مجبور ہیں۔ یہ اس مسلمان کا حال ہے جس کی زندگی کا مقصود و مدعا اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کیلئے زندہ رہنا تھا۔ جو فضائے الہی کے حصول کو معراج حیات سمجھتا تھا۔ اور جس کو قرآن حکیم نے کائنات ہستی پر چھا جانا اور انسانیت کا بول بالا کرنا سکھایا تھا۔

مسلمانانِ پاکستان سے

ایرادرانِ اسلام! اپنی حالت موجودہ ماحول اور دنیا کے حالات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے۔ کیا یہ تصدیق نہیں کہ ہماری ہستی اس صفحہ دنیا میں پرکاش کی سی ہے۔ دشمنوں میں سر جس کا جی چاہے ہمیں اپنے پاؤں تلے روندنے کا عزم و ولولہ اپنے دل میں رکھ لے۔ حالت جب ایسی نازک ہے اور آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ حالت واقعی نازک ہے۔ محض اپنے نفس کو دھوکہ دینے اور دل بہلانے کے لئے جو بھی چاہے سمجھ لیجئے۔ بات بنا لیجئے۔ مگر واقعات جس سرعت کے ساتھ آپ کے سامنے آ رہے ہیں ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ واقعات خود ہی آپ کو یہ سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ کہ اگر خدا خواستہ طاقتیں یونہی برسرِ اقتدار رہیں، کفر و الحاد دنیا پر یونہی چھایا رہا، منصب امامت پر روس، امریکہ اور برطانیہ یونہی فائز رہے۔ اشتراکیت اور جمہوریت کے فریب میں دنیا یونہی مبتلا رہی اور ہمارے بڑے یونہی ظالموں، مفسدوں اور بدکاروں کے سہارے ترقی و خوشحالی کے خواب دیکھتے رہے تو دنیا سے اسلام کا کیا حشر ہو گا۔ دنیا میں اسلام، مسلمان اور قرآن کی کیا وقعت باقی رہے گی۔ کیا ہم دنیا میں غیر اسلامی طور طریقوں کے پیچھے بھاگ کر اور دین و اخلاق سے منہ موڑ کر اسلام اور قرآن پاک کی یونہی بے حرمتی اور بے وقعتی ہونے دینگے؟

کیا ہمیں یہ قرآن پاک اور کتاب مبین درگاہ الہی سے اسی لئے عنایت ہوئی تھی اور ہم متاعِ مصطفویٰ کے اسی لئے

ہمارا ذمہ۔

اس کے برخلاف اگر ہم نے ایسا نہ کیا اور صرف اس وجہ سے کہ اپنی حکومت، اپنی وزارت، اپنی عزت، اپنی لیڈری اپنی راحت، اپنے مزے، اپنا ناموس، اپنی وقعت، اپنے ذاتی فوائد اور اپنے ہوائے نفس کی وجہ سے آپس ہی کے لڑائی جھگڑوں اور تفرقوں سے فرصت نہیں تو جان رکھیے مرنا جتن ہے۔ اس سے چھٹکارا نہیں، مرنا ضرور پڑے گا۔ حشر بھی برحق ہے۔ اس سے بھی چھٹکارا نہیں۔ زندگی کا حساب و کتاب ضرور دینا ہوگا۔ لہذا اپنے تصور میں وہ دن لایٹے جب نفسا

نفسی کا بازار گرم ہوگا۔ آفتاب سوانیزہ پر ہوگا۔ تخت انصاف بچھا ہوگا۔ مالک یوم الدین بر سر عدل ہوگا۔ اور ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ السلام بھی سامنے ہونگے۔ کیا ہم پاکستان کے مسلمان رسول کریم ص کو اپنا منہ دکھانے کے قابل ہونگے؟ کاش اُس وقت ہماری گردنیں شرم و ندامت سے نہ جھکی ہوں۔ اور ہم آج ہی دیدہ و عبادت و کر کے اسلام کی طرف آجائیں۔ و یا للہ التوفیق

(بقیہ ص ۳۳) اسے ملکی پارلیمنٹ میں خاصی نمائندگی میسر نہ ہو سکے علاوہ خواتین بھی اسمیں شریک ہیں۔ اور اسکا نصب العین ملک کو دار الاسلام بنانا ہے۔ دوسری جماعت ”شرکت اسلام“ کے نام سے موسوم ہے۔ اس جماعت کی رکنیت مانڈ کے سے بیس لاکھ افراد سے زیادہ ہے۔ اور دوسرا مانڈ کے مطابق بیٹیس لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ جماعت اپنے طریق کار کے لحاظ سے ایک اصلاحی پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقوں کی حمایت بھی حاصل ہے۔ مغربی تہذیب و علوم کے مقابلہ میں اسلامی قانون و معاشرت کی سائنٹی نمک توجیہ میں یہ لوگ اچھے خاصے سرگرم پڑے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کی جاہلی رسوم اور غیر اسلامی شعائر کے خلاف بھی یہ جماعت برسر عمل ہے۔ اس کے اراکین کی اکثریت امام احمد بن حنبلؒ کے مقیدین پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں میں تیسری مقبول ”محمدیہ“ ہے۔

دراصل یہ جماعت اپنی نوعیت اور کام کے اعتبار سے ہمارا ہاں کی انجمن حمایت اسلام لاہور کی پوری تصویر ہے۔ اسلامیہ سکولوں عربی مدارس اور جدید قسم کی مسلم درسگاہوں کا انتظام و انصرام اسکے ہاتھ میں ہے۔ اور آج تک حکومت کی امداد کے بغیر صرف مسلمانوں

کی اعانت و امداد پر چل رہا ہے۔ ان جماعتوں کے علاوہ انڈونیشیا میں ایک نیشنل پارٹی بھی ہے۔ اور ایک موشنلسٹ پارٹی اور لیبر پارٹی بھی موجود ہے۔ ان میں نیشنل پارٹی کو مقابلہ زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔

انڈونیشیا میں معاہدہ کے بعد جو ہنگامی حکومت (interim Govt.) عالم تشکیل میں آئی تھی۔ اس میں تقریباً سبھی جماعتوں کے نمائندے شریک تھے۔ ان میں چیدہ چیدہ اشخاص کے نام یہ تھے۔ ڈاکٹر شقر الدین۔ ڈاکٹر سوسانتو تو پر و جی میٹر سینیو (شہید) ڈاکٹر اے اے بلاوس۔ ڈاکٹر لقمان حکیم۔ کیاٹے حاجی شکور۔ میٹر سلطان موہ رشیدی۔

جمہوریہ انڈونیشیا کے چیدہ چیدہ نیشنل رہنما یہ ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرحیم سیکارنو۔ ڈاکٹر محمد حطا دعطی۔ ڈاکٹر شہریار۔ حاجی اگوس سلیم۔ سلطان جوگجا کارٹا۔ (چراغ راہ)

تصحیح: ہر ماہ فروری کے شمارہ میں تعلیمات اسلامیہ کا نام ملے میں شرط ذکوۃ کے تحت میں سونا سات ٹونہ کی بجائے ۱۰ ٹونہ اور چاندی ۵۲ روپوں کی جگہ ۵۲ ٹونہ پڑھا جائے

ایک سخت مغالطہ کا جواب

عیسیٰ بن مریم ہے۔ اور وہ نبی ہے جس کے درمیان کوئی بنی نہیں۔ اور وہ نبی ہے جو رسول صاحب کتاب انجیل ہے۔ حضرت عائشہؓ کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ انبیاء جاری ہے۔ اور ہمیشہ نبی آتے رہیں گے۔ اس کی تصدیق مجمع الجہار کے مصنف نے خود کر دی ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے کہ محمدؐ کے بعد کے آنے والے نبی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی نامری ہیں۔ کیونکہ یہ قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس نے ویزید فی الحلال کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے وفی حدیث عیسیٰ انہ یقتل الخنزیر ویکسر الصلیب ویزید فی الحلال ای یزید فی حلال نفسه بان یتزوج ویولد له وکان له یتزوج قبل رفعہ السماء فزاد بعد المہبوط فی الحلال فحینئذ یومن کل احد من اهل الکتاب بتیقن بانہ بشرہ وقالت عایشہ قولوا انہ خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعدہ کا ارادہ لا نبی تنسیخ شہادہ۔ (ترجمہ) اور عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث میں کہ وہ خنزیر کو قتل کرے گا۔ اور صلیب کو توڑے گا۔ اور حلال میں زیادتی کرے گا۔ یعنی نکاح کرے گا۔ اور اس کی اولاد ہوگی۔ کیونکہ اس کی شادی نہ ہوئی تھی جب آسمان پر اٹھایا گیا۔ بعد نزول روجہ کرے گا۔ اور تمام اہل کتاب اس پر ایمان لائیں گے اور عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرتؐ کو خاتم الانبیاءؐ کہو مگر میت

مرزا یوں کی طرف سے ایک قول حضرت عائشہ صدیقہؓ کا پیش کر کے سخت دھوکہ دیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا عقیدہ (نفوذ باللہ) خاتم النبیین کے برخلاف یہ تھا کہ ہمیشہ نبی آتے رہیں گے۔ اور وہ قول یہ ہے وقالت عایشہ قولوا انہ خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعدہ یعنی حضرت عائشہؓ نے فرمایا ای لوگو یہ کہو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ختم کرنے والے نبیوں کے ہیں۔ مگر یہ مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ (دیکھو تحکمہ مجمع الجہار ص ۷۵)

اس قول سے اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ لا تقولوا لا نبی بعدہ یعنی یہ مت کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ لہذا اس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کا آنا امکان رکھتا ہے۔ جس کا جواب یہ ہے کہ اس قول کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! حضرت خاتم النبیینؐ کل جدید نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ آپ کے بعد کسی قسم کا جدید نبی پیدا نہ ہوگا۔ مگر کہیں یہ دھوکہ نہ کھانا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے بھی انکار کر دو۔ اور لا نبی بعدہ ہی کے ماتحت نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو کہ پُرانا نبی و رسول ہے اور علامات قیامت سے ایک علامت ہے۔ اس سے بھی منکر ہو جاؤ۔ اس واسطے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی ہے جو بے شک آئے والا ہے۔ اور وہ نبی ہے جس کا نام

کہو کہ اس کے بعد کوئی بنی نہیں۔ الخ۔

اس مجمع الجبار کی عبارت سے مفصلہ ذیل امور

ثابت ہوتے ہیں :-

اول۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عینی علیہ السلام

بنی ناصری آنے والا ہے۔ نہ کوئی جدید نبی امت محمدیہ میں ہے۔

دوہم - وہ ہی نبی آنے والا ہے جو کہ آسمان پر اٹھایا

گیا تھا۔ اور آسمان سے نازل ہوگا۔

سوم۔ وہ ہی بی آنے والا ہے جس کی شادی نہوٹی

نقی اور بعد نزول شادی کرے گا۔

پچھارم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا لا تقولوا لا

بنی بعد ۛ یعنی مت کہو کہ محمدؐ کے بعد نبی آنے والا ہے وہ

عیسیٰ بن مریمؑ سے بی ٹا صری۔

پنجمہ - اصالتاً نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوگا

نہ تنہا دیرونا۔ جیسا کہ مرزا صاحب اور مرزا ٹی کہتے ہیں حضرت

عائشہ رضی کے قول نے تو تمام قادیانی مشن کی تردید کر دی ہے۔ مگر

افسوس قادیانی صاحبان اس قول کو جدید نبیوں کے پیدا ہونے

کی سند پیش کرتے ہیں۔ جو کہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ مسلمہ

اصول ہر ایک فرقہ اسلام ہے۔ کہ جو حدیث یا قول میں بہ قرآن

شریف کے برخلاف ہونہ اول تو رد کرنا چاہیے۔ یا مضے کرنے

میں ایسا طریق اختیار کرنا چاہئے تاکہ قرآن شریف کی مخالفت نہ ہو

مرزائی صاحبان جو اس قول کے یہ معنی کرتے ہیں کہ ہمیشہ نبی

آتے رہیں گے۔ اور یہ قول نص ہے امکان میں بعد از حضرت

خاتم النبیین بالکل غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات خاتم

لنبین و اکملت لکم دینکم اور متعدد صحیح حدیثوں کے

رخلاف ہے۔ جن میں صاف صاف لکھا ہے کہ حضرت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی عدد

نہی نہ ہوگا۔ ہاں میرا نامی حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ضرور آئیں گے۔ اور ان کا آنا خاتم النبیین کے برخلاف

نہیں۔ کیونکہ وہ پہلے بنی تھے + (ماخوذ)

[illegible]

مطابق

(محترم مولانا فضل کریم صاحب گوندل بھیرو)

شنیدم که قیام علی اوسط بود

میان دو مرد حبیل و درازا

بہ طہیت کی گفت ای مہرباں !

سید یار سخ بدو گفت شاه کوا

بہ خیر الامور آں اشارت نمود

ہم ہی رفت روزے بہ انداز و ناز

چونون لئا، هتي اندر مياں !

اگر گم شود نون مانی چو لا !!!

زواتِ نسبتِ ذاتِ تو فتا

منہ انہم اگر مرنے میں نہ آئی سچا

مسلمانوں کے فساد و زوال کی ابتداء

صحیح قیادت و رہنمائی کا فقدان

(بلسلہ اشاعت گذشتہ)

(ادارہ)

صحیح اسلامی قیادت محرومی کے نتائج

جب اس طرح دین و دنیا کی جدائی سے مسلمان اپنے اجتماعی فریضہ سے غافل ہو گئے۔ اور علما و اہل منصب کو بھول گئے تو نہ ان کے سامنے کوئی نصب العین رہا، نہ کوئی اصول نہ کوئی متفقہ و متحدہ پروگرام اور نہ کوئی مرکزیت و اجتماعیت۔ جس کا جدھر منہ اٹھا وہ اُدھر ہی چل پڑا۔ انجمن سازی اور خود ساختہ پروگرام سازی کا سرور پر بھوت سوار ہو گیا۔ لیڈری کی دھن نے ہر شخص کو لیڈر بننے کا چسکا لگا دیا۔ جلسے اور جلوسوں کا سودا پیدا ہوا۔ تقریر بازی کا عشق چڑ آیا۔ مردہ باد اور زندہ باد کے نعروں میں عملی قوانین ضائع ہوئے لگیں۔ ہر نا اہل بڑے سے بڑا لیڈر بن گیا۔ ہر بے دین کی تخریف و توصیف کے پل بانڈھے گئے۔ ہر مکار کو آسمان پر چڑھایا گیا۔ اور اس طرح جھوٹ نے سچ اور سچ نے جھوٹ کی صورت اختیار کر لی۔

شریعت کی بندشوں کو ڈھیلا کیا گیا۔ عوام کو اسلام کے اصولوں سے نا آشنا کھا گیا۔ اسلام کو صرف چند مخصوص عقائد و عبادات تک محدود کر دیا گیا۔ عمل کسی درجہ میں بھی لازمی نہ رہا۔ کلمہ گو کی نئی اصطلاح گھڑی گئی جس نے سارے اسلام کو ہڑپ کر لیا۔ خدا کے بندوں نے دین کی حقیقت سے نا آشنا ہونے کے سبب مذہبی رنگ میں مذہبی پیشواؤں کی غلامی اور سیاسی

رنگ میں لیڈروں کی اطاعت میں ہی اپنی فلاح سمجھی، شخصیت پرستی نے خدا پرستی اور دینداری ختم کر دیا۔ بادشاہ کو ظل اللہ سمجھا گیا۔ مباحثات و مناظروں کا بازار گرم ہوا۔ فرقہ بندی اور تفاق و شقاق سے اخوة اسلامیہ کے ٹکڑے کٹ گئے۔ اللہ کے سادہ اور فطری دین کو دین افلاطونی بنا دیا گیا۔ ہر عقیدے میں فلسفیانہ بحثیں اور منطقیانہ موٹنگیاں نکالی گئیں۔ بات بات پر جھگڑے لڑائیاں اور فساد ہوئے۔ مخصوص عقائد پیدا کئے گئے۔ ان پر کفر و اسلام کی بنیادیں رکھی گئیں۔ کفر کے فتوے چلے، مسجدیں اکھاڑہ بنیں، ان لابیائی جھگڑوں، بحثوں، اور فتوؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان عوام دین حق کے مفہوم و مدعا ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت اور عمل صالح کی روح سے بتدریج محروم ہوتے اور کفر، شرک، بدعت اور معصیت کا راستہ اختیار کرتے چلے گئے۔ دوسری طرف مادی اقتدار، ذہنی برتری اور علمی و عقلی ترقی و کامیابی سے بھی محروم۔ اس دنیا میں ان کو نہ مومن بنکر رہنا آیا اور نہ کافر بن کر۔ نہ کفر کے رہے۔ نہ اسلام کے۔ جب تک انکو اپنے زوال و انحطاط کا احساس و شعور نہ تھا اُس وقت تو مسلمانان عالم غافل و مدہوش رہے۔ جب ذرا آنکھ کھلی، ہوش آیا اور دنیا کا جائزہ لیا تو اپنے آپ کو ہر غوی، کمال، طاقت، راحت اور کامیابی سے محروم پایا۔

میاں پرہوش کو دہانے علم و احساس پر قابو نہ رکھ سکے اور وہ

اپنے زوال و انحطاط کے حقیقی اسباب و علل تک نہ پہنچ سکے۔ انہوں نے اپنی زبان حالی و بدبختی کا قرآن حکیم کی روشنی میں جائزہ نہیں لیا۔ نہ عہد نبوت و خلافت راشدہ سے کوئی سبق حاصل کیا۔ بلکہ دنیا کی قوموں کو جو کچھ کرتے دیکھا وہی کچھ یہ بھی کرنے لگے۔ وہ یہی کر سکتے تھے کہ دنیا کے رائج الوقت کا فرانہ نظاموں میں جس نظام کو اپنی سمجھ، اپنی مرضی اور اپنی پسند کے مطابق پائیں اسی کو اختیار کر لیں۔ کفر کے غلبہ و اقتدار کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔ کافروں کو دوستیاں لگا لیں، ان کی ذہنی و مادی بڑی کے گیت گائیں، ان کے علوم و فنون اور انکی تہذیب پر مرتعین، ان سے وفاداری کا اظہار کریں انکی خوشامد و چالوسی کریں، اپنی قوم کے خلاف ہارسدسیاں اور سازشیں کریں۔ غداریاں اور بے ایمانیاں کر کے اپنے آقاؤں کو خوش رکھیں، ذاتی عز و جاہ اور راحت و آسائش حاصل کریں، اپنوں کی طاقتوں کو توڑ توڑ کر اغیار سے وزارتیں، امارتیں، عہدے، خطا بآ مرسلے اور ملازمتیں حاصل کریں۔

جب کسی قوم کے سامنے اپنا نصب العین، اپنا پروگرام، اپنے اصول، اپنی تہذیب، اپنا تمدن، اپنا مرکز اور اپنی قیادت ہو وہ یہی کچھ کیا کرتی ہے۔ جو مسلمانوں نے کیا۔ وہ یونہی اغیار و اجانب کے رحم و کرم پر جیا کرتی ہے۔ جیسے مسلمان جی رہے ہیں۔ وہ اپنوں کے لئے سخت اور دوسروں کے لئے نرم ہو جایا کرتی ہے۔ وہ محض پیٹ کے لئے جیا کرتی ہے۔ اُسے اپنی قوم، اپنی تہذیب، اپنی روایات، اپنی معاشرت، اپنی تاریخ، اپنے علم و ادب اور اپنی سیاست سے نفرت ہو جایا کرتی ہے۔ اُسے اپنی ہر چیز بری لگتی ہے۔ اور وہ دوسروں کی ہر چیز پر راکرتی ہے۔ یہی مشر مسلمانوں کا ہوا۔

مسلمانوں کی ذہنی و مادی مفلوک احوالی

جو قوم اپنے مذہب و اخلاق اور اپنی تہذیب و سیاست سے منہ موڑ کر اپنے ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کر لے، اپنوں سے

کٹ کر غیروں سے جاملے وہ ذہنی و مادی مفلوک احوالی میں کیوں نہ مبتلا ہو۔ اس پر کیوں نہ سیم مصائب و آلام اور تباہیاں و بربادیاں آئیں۔ اور وہ کیوں نہ دشمنوں کے رحم و کرم کے سہارے بیٹے۔ دیکھ لیجئے آج جہاں بھی مسلمان ہیں خواہ وہ آزاد ہیں یا غلام ہر جگہ ذلیل و غوار اور کمزور و ناتواں ہیں۔ اگر تمام ممالک اسلامیہ کی فوجی قوت کو جمع کیا جائے تو وہ کسی ایک یورپین طاقت سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ساری دنیا کے مسلمان مجبور ہیں۔ کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کو خوش رکھیں، ان کی سرپرستی پر نخر کریں، دشمنوں پر اعتماد کریں، انکی ٹھوکروں سے پامال ہوں مگر ان کا دامن نہ چھوڑیں اور خود زندہ رہنے اور اپنی حکومتوں کو مضبوط بنانے کے لئے اسلام اسلامی اخوت کا، اسلامی سیاست کا، اور اسلامی نظام کا نام بھی نہ لیں۔ اس لئے کہ اسلام کے نام سے ہمارے دشمن آقا ناراض ہوتے اور مسلمانوں کو نکو بناتے ہیں۔ حد ہے کہ خود مسلمانوں کے لئے اسلام ایک خطرناک چیز بن گیا ہے۔

ہفت روزہ آفاق "لاہور کی" رومبر ۱۹۷۷ء کی اشاعت کے پہلے صفحہ پر "مسلمان ممالک کا ہلاک" کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کا اپنا ایک ہلاک بنے۔ تمام ممالک میں سیاسی اتحاد ہو۔ اس لئے کہ تمام ممالک اسلامیہ کا اسی میں فائدہ ہے۔ کہ ان میں اجمعی تعاون و اتحاد ہو۔ پھر یہ ہلاک روس کے حلیفوں میں شریک ہو جائے یا برطانیہ و امریکہ والے ہلاک میں۔ صاحب مقالہ کا کہنا ہے کہ اتحاد اس لئے ضروری ہے کہ یہ تمام ممالک کمزور ہیں۔ موجودہ دور میں ان کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا مشکل ہے۔ لہذا ان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک طاقت کا سہارا لیں۔ اور کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن ذرا راحت و آرام سے گذار لیں۔ پھر یہ دنیا اور اس کے مزے کہاں۔

ممالک کی کمزوری کا یہ رونا نہ رویا جاتا۔ دنیا کی بڑی طاقتیں روس امریکہ اور برطانیہ نہ ہوتے بلکہ مسلمان ہوتے۔ مگر وہ اور ان کے مذہبی و سیاسی لیڈر خواب غفلت میں سوتے یا آپس میں لڑتے رہے۔ اور مادہ پرست قوموں نے اٹھ کر ساری دنیا پر قبضہ کر لیا۔

خط کشیدہ عبارتیں قابل غور ہیں۔ یعنی اسلام نے مسلمانوں کو جس رشتہ اتحاد اسلام میں باندھا تھا وہ رشتہ ٹوٹ گیا۔ اب وہ اس قابل ہی نہ رہے کہ اسلام کی اساس پر کوئی وحدت قائم کر سکیں۔ وہ اس معاملہ میں مجبور ہیں۔ یعنی وہ اسلام پر اگر چلنا بھی چاہیں تو نہیں چل سکتے۔ ان کے قومی و ملکی مصالح کا تقاضا یہی ہے کہ وہ قومیت اور وطنیت ہی کو بنائے اتحاد بنا کر رکھیں۔ یعنی قومی و ملکی مصالح دین کے تقاضوں پر مقدم ہیں۔

دین سے زیادہ دنیا کو اہمیت حاصل ہے۔ اسلام پر چلنے سے نہ ان کا اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ اور نہ ان کی آپس میں بنی رہ سکتی ہے۔ حد ہو گئی ان کی کمزوری اور بے بسی کی کہ اگر کوئی باشعور اور مضبوط اقلیت یہ چاہے کہ مسلمان اسلامی رشتہ قائم نہ کریں تو مسلمان اس پر بھی تیار ہیں کہ اقلیت کو خوش رکھنے کے لئے اسلام کے رشتہ کا نام نہ لیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ کے ہم مسلمانوں پر اب ہمارا اسلام اقلیتوں کے رحم و کرم پر منحصر ہے۔ ہم دنیا کی طاقتور قوموں اور باشعور اقلیتوں کو راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ خواہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں یا ناراض۔ سلام رہے یا نہ رہے۔ لیکن ہماری حکومتیں ضرور قائم رہیں۔ کیسی بچی اور محرومی ہے ہم مسلمانوں کی کہ قرآن پاک ہمارے لئے اس دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات کی بشارت لیکر آیا تھا۔ اس نے ہم پر دین و دنیا دونوں کی ترقی و کامیابی کی راہیں کھول دی تھیں۔ عروج و زوال کے تمام اصول و قوانین سمجھا دیئے تھے۔ اور ہمیں دنیا پر جھاننا سکھایا تھا۔ مگر ہم نے قرآن سے کچھ نہ سیکھا۔ ہدایت الہی سے منہ موڑ کر اپنی مادی و اخلاقی زندگی کو خود تباہ کر لیا۔ ہم

سب جانتے ہیں کہ اسلام مسلمانوں کو سب سے بڑی طاقت بنانا چاہتا تھا، ان کو ایمان و عمل صالح کی روح اور دین و دنیا کا حسین و جمیل توازن دیکر اخوت اسلامیہ کے رشتہ میں باندھنا اور ان کی مرکزیت و امارت قائم کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ کمزور نہ ہونے پائیں مخالف اسلام طاقتوں سے شکست نہ کھا جائیں اور مسلمانوں کی طاقت سے دنیا میں دین حق کا بول بالا ہو۔ مگر مسلمانوں نے اپنی ان وضع و مصلحت کو خود اپنے ہاتھوں سے مٹا دیا۔ اور اب انہیں اسلام کا نام اور اس کا رشتہ اتحاد بھی گوارا نہیں۔ اس مقالہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

”اب سوال یہ ہے کہ اسلامی ممالک کا یہ ہلاک کیسے بنے؟ عربی ریاستوں کا اپنا ایک ہلاک ہے۔ لیکن اس میں رشتہ اتحاد اسلام نہیں۔ بلکہ عربیت ہے۔ اور شاید عربی ممالک کبھی اسکے لئے تیار نہ ہوں۔ کہ وہ عربیت چھوڑ کر اسلام کے اساس پر کوئی وحدت بنائیں۔ وہ اس معاملہ میں مجبور ہیں۔ خود ان کے قومی و ملکی مصالح کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کہ وہ عربیت ہی کو بنائے اتحاد رکھیں۔ اس سے ان کا اندرونی اتحاد بھی قائم رہے گا۔ اور ان کی آپس میں بھی جڑ رہے گی۔ کیونکہ سارے کے سارے عرب مسلمان نہیں۔ ان کے ہاں عیسائیوں کی ایک باشعور اور مضبوط اقلیت ہے۔ جو کبھی یہ نہیں چاہے گی کہ اسلام کو عربیت پر ترجیح دیجائے۔“

یہ ممالک اسلامیہ کی ذہنی مرغوبیت اور مادی مغلوبیت و مقهوریت کا بے انتہا دردناک اور جگر خراش مرقعہ ہے۔ اور ساتھ ہی عبرت انگیز بھی کہ قرآن پاک نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل ہی کہہ دیا تھا۔ **واعلموا انہم ما استطعتم من قوتہ الخ** کہ تم سے جہاں تک ہو سکے اپنے اندر طاقت پیدا کرو۔ طاقت کو نیکو رکھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہر قوم کی ذہنی، علمی، عقلی، فکری، روحانی، اخلاقی اور مادی قوت اپنے اندر پیدا کرو۔ کسی قسم کی کمزوری اپنے نزدیک نہ آنے دو۔ اگر مسلمان اس پر عمل کرتے تو آج مسلمان

سرخ نشان

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ وی۔ پی۔ ارسال ہوگا۔ جس کے زائد اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدارا وی پی واپس فراہم کرنا ایک اسلامی اداسے کو ناحق نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (غلام حسین منیر)

اس قابل بھی نہ رہے کہ جن زمینوں کے ہم مالک بنے بیٹھے ہیں ان سر قدرتی ذخائر خود نکال کر اپنی اقتصادی کمزوری دور کریں۔ اخبار "مزم" لاہور نے اپنے ایک مقالہ اقتصادی میں مسلمانوں کی اس نااہلی و بے بصیرتی کا نقشہ ان حیرتناک الفاظ میں کھینچا تھا۔

”ایران کی سرک بنائیں۔ انگلستان کی انجینئر، کان کنی کا کام سنبھالیں یورپ کے ماہرین، آبپاشی اور تہذیب کا انتظام کریں مغرب کے آزمودہ کار روشنی کا محکمہ قائم کریں سفید فام باشندے طبقات الاضی تحقیقات اور معادن کی دریافت کریں یورپ کے ٹھیکہ دار، اسکول اور شفا خانے قائم کریں مغرب کے عیسائی ہنرمند درگاہوں میں تعلیم دیں برطانویہ کے مستشرقین اسکے بعد ممالک اسلامیہ کے ہاتھ میں کیا باقی رہ گیا؟ (مزم) (میر شمس الدین) (باقی آئندہ)

چند اہم دینی کتابیں

حیوة المسلمین۔ مجدد العصر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبہ تعالیٰ قدس سرہ العزیز کی ایسا نادر اور اہم ترین تصنیف، حضرت مولانا مہتمم اپنی تصانیف کے سب سے زیادہ اہم قرار دیتے ہیں۔ آپ آل اہل اسلام کے فکری و علمی حلقوں کے موقع پر کاروبار کے وقت شمولیت اجلاس کے جواب میں کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ میری طرف سے یہ کتاب میری زندگی کی

آپ لوگ لاسی پر عمل کریں اور کتابیں۔ بار بار پڑھیں اور بہت ہی مقبول ہوتی ہے۔ مجلہ کتاب کی قیمت صرف دو روپیہ مضامین جمال الدین افغانی۔ سید جمال الدین افغانی کے چند اہم سیاسی اور مذہبی مضامین کا سلسلہ دو ترجمہ۔ قیمت مجلہ دو روپیہ آٹھ آنہ سیرت خاتم الانبیاء۔ مصنف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مختصر اور صحیح ترین سیرت کے اکثر اہم مسائل میں داخل تصانیف ہیں۔ اس کا مطالعہ عام مسلمانوں اور خصوصاً بچوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ قیمت مجلہ مع گرد پوش ۳ روپیہ

آداب النبی۔ جہیں مختصر گزشتہ جہیں مستند کتابوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور آداب و شجائے مدنیہ شریف اور معجزات بیان کیے گئے ہیں۔ مصنف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ قیمت مجلہ مع خوبصورت گرد پوش ایک روپیہ۔

نیک سبیاں۔ مصنف عالم ربانی حضرت مولانا صفیر حسین صاحب دیوبندی ہیں۔ جہیں مختصر سیرت حضرت علیہ السلام کے بارے میں حضرت مولانا صاحب نے کمال و صلاحیت کا مظاہر کیا ہے۔ بہترین انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ عورتوں کو خصوصاً اس کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔ مجلہ مع خوبصورت گرد پوش صرف ۱۲ روپیہ

عجاز القرآن۔ مسئلہ عجاز قرآن پر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر محمد صاحب عثمانی نور اللہ قدس سرہ کا بہترین اور شہرہ کار رسالہ قابل دید ہے۔ قیمت صرف ۸ روپیہ

گناہ بے لذت۔ مصنف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ہیں۔ ایسے تمام گناہوں کی فہرست اور ان کے متعلق احکامات ہیں جن کے گناہ کوئی نفع نہ ہو اور کوئی لذت نہ ہو اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔ قیمت مجلہ مع گرد پوش ۱۲ روپیہ

ادارۃ اشاعت العلوم الاسلامیہ۔ جامع مسجد لائپقور

تصانیف حضرت مولانا صاحبہ تعالیٰ کی کتابیں۔ جامع مسجد لائپقور۔ لاہور۔ پاکستان

انڈونیشیا

مسلمانوں کی ایک نئی آزاد مملکت

(محترم نذر محمد صاحب خالد بنی - لے)

شرمناک شرائط پر غم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انڈونیشیا کے سرفروش و جانناز عوام کے لئے دسمبر ۱۹۴۹ء یعنی ایک اگست ۱۹۴۹ء کو اپنے حالات جب ہم پاکستانی اپنے زعم میں کامل طور پر آزاد ہو گئے تھے۔ لیکن جو بنی افق مشرق پر آفتاب آزادی طلوع ہوا۔ ایلگو محض نواہوں کی سیادت کے کاسے بادلوں نے ہمیں شمش جہات سے گھیر لیا۔

انڈونیشیا کے نئے آئین کی رو سے نیو گنی انڈونیشیا میں شامل نہیں ہوگا۔ بلکہ اسپرٹس ساجراج بلاواسطہ سلطارت ہوگا۔ ولندیزیوں کے دو پرانے مسودات قانون جنہیں انڈونیشیا پر نافذ کرنے کی وہ پہلے بھی تدبیر کر چکے ہیں۔ نئے دستور میں بجنہ شامل کر دے گئے ہیں۔ یہ مسودات عام طور پر منشور اقتدار (Chapter of Sovereignty) اور ولندیزی انڈونیشی یونین کا منشور (Statute of Netherlands Union) کے ناموں سے مشہور ہیں۔ اور دراصل ڈچ ساجراج کی فریب کاری کی ذیلی ترین مثال ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے انڈونیشیا کا ڈچ استعمار سے متعلقہ تھی ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

ڈچ فوج بدستور ملک میں رہے گی۔ اس کے حدود میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ بلکہ جمہوری فوج کو اس کو مدغم ہونا پڑیگا۔ فوج کے افسر اور کلیدی آس میاں ولندیزیوں کے قبضہ میں رہیں گی۔ فوج کے ملک سے ہٹائے جانے کی کوئی تاریخ مقرر نہیں۔ ڈچ بحری فوجیں انڈونیشیا میں کم سے کم ایک سال تک رہیں گی۔ بحری اڈے فوراً نہیں ہٹائے جائیں گے۔ مافی تدریج کے ساتھ انڈونیشیا کے حوالے کئے جائیں گے۔

مغربی استعمار پرستی کی ہڈیاں میں آج کل پھر جمہوریت نوازی کا ابال آیا ہے۔ دنیا میں شور مچ رہا ہے کہ ایشیا کی ایک اور بابر خیر قوم کی غلامی کی کڑیاں کاٹ ڈالی گئی ہیں۔ اور دور حاضر کی مہذب انسانیت کی کمر اس بار احسان سے دوہری ہوئی جاتی ہے۔ کہ دنیا کی آزاد مملکتوں کی صف میں ایک نئی مملکت کھڑی کر دی گئی ہے۔ یو۔ این۔ او کے امن دینا عالمگیر حقوق انسانیت کے ڈھول کی اس نئی تال پر سر دھن رہے ہیں۔ کہ انکی مساعی جیلہ نے ایک اور عالمی جھیم کو سلجھا لیا ہے۔ اسلامیان عالم کیلئے خرد ہے کہ مسلم مملکتوں میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہو گیا۔ اور پاکستان کو اب اپنا سر نیاز فوراً دینا چاہئے کہ عدو آبادی اور وسعت ملکی نیز درغری اور دولت و ثروت میں اس سے بھی ایک عظیم ملک ممالک اسلامیہ میں اس کے تفوق و برتری کا حریف بننے والا ہے۔ لیکن اصل واقعہ کیا ہے۔ ہریگ کانفرنس میں جو مسودہ قانون طے پایا ہے۔ اسکے نفاذ کے بعد بھی انڈونیشیا بدستور فوجی ماساشی اور بین الاقوامی لحاظ سے ولندیزیوں کا محکوم بنا رہیگا۔ دسمبر ۱۹۴۹ء میں امسٹرڈم کے مقام پر انتقال اختیارات کا جو ڈھونگ رچا جا رہا ہے اس سے انڈونیشیا کی محکوم کا نیا دور شروع ہو گیا۔ انڈونیشیا کے مسودہ قانون کی ترتیب میں ولندیزی ساجراج پرست ہاتھوں کو انڈونیشیا کے ولندیز پرست وفاقوں (Unionism) کی بھی تائید حاصل ہے۔ ہریگ کی گول میز کانفرنس اس وقت تک منعقد نہ کی گئی جب تک کہ ولندیزیوں نے اپنی ٹوٹی جماعت وفاقوں (Unionism) کی نشستوں کا اس میں قرار واقعی تعین نہ کر لیا۔ ولندیز امپریزم اور وفاق پرستوں کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے جمہوری نمایندوں کی آواز اس کانفرنس میں اتنی بھم پڑ گئی کہ وہ اپنی طویل جنگ آزادی اور ایک ایسے پر معصوبت جہاد حریت کو نہایت

گر سواہیا کا بحری اڈہ غیر متحینہ مدت تک ڈچ اقتدار میں رہے گا۔ ایک ڈچ فوجی مشن پورے تین سال تک ملک کی گردن پر سوار رہے گا۔
 ولندیزی سرمایہ اور ڈچ مفادات کو ملک میں خصوصی تحفظ
 اور مراعات حاصل ہوں گی۔ ولندیزی سرمایہ، کارخانے، ملیں
 پستورانہی کے ہاتھ میں رہیں گی۔ اور انڈونیشیا پر ولندیزی ملکی معاشی
 اور اقتصادی سیاست اور بالادستی جون کی توں بحال رہے گی۔ دوسرے
 لفظوں میں انڈونیشیا پستور ہالینڈ کی ایک نوآبادی بنا رہے گا۔ غیر
 ملکی تجارت کلی طور پر ہالینڈ کی اجارہ داری میں ہوگی۔
 یہ ہے اس آزادی کی حقیقت جس کا ڈھونگ ترقی پسند
 حاکم کے طول و عرض میں پٹیا جا رہا ہے۔

کڑھ ارض کے اس درخیز ترین قطعہ زمین کا ایک
 تمدنی و معاشی اور سیاسی و تہذیبی جائزہ اس وقت
 بالکل مناسب اور بروقت معلوم ہوتا ہے۔
 جزائر انڈونیشیا کئی ہزار چھوٹے اور بڑے جزیروں پر
 مشتمل ہیں۔ اور مجموعی طور پر ان کا رقبہ ۱۹۰۰۰۰۰۰ کیلو میٹر یعنی
 ۵۹۲ و ۳۳۴ مربع میل ہے۔ جو اپنے سابقہ سیاسی خداوندوں
 کے ملک ہالینڈ سے چھپن گنا بڑا ہے۔ جغرافیائی نقطہ نظر
 سے ان جزائر کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔
 پہلے حصہ کو جزائر سنڈان کے نام سے موسوم
 کیا جاتا ہے۔



جاپانی حملہ سے ایک سال پیشتر تیل کا سالانہ نکاس اسی لاکھ تھا۔ جنگ سے پہلے اس کی ۹۵ فیصدی پیداوش پر ہالینڈ اور برطانیہ کی مشترکہ اجارہ داری تھی۔ اب پیداوش کا چالیس فی صدی حصہ امریکی ہاتھوں میں ہے۔

مذنی۔ تہذیبی اور سانی لحاظ سے یہ ملک عجیب متضاد کیفیات کا حامل ہے۔ جاوا کے ساحلی اضلاع میں اور ارد گرد کے جزائر میں ملائی باشندے آباد ہیں۔ یہی ملائی آبادی شمالی بورنیو میں اہل چین سے مشابہت رکھتی ہے۔ بلی اور سماٹرا میں ہندوستانی نژاد معلوم دیتی ہے۔ اور شمالی سماٹرا میں ان کی شکل و صورت عربوں جیسی ہے۔ سانی اعتبار سے خود جاوا میں کسی ایک زبان پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ حالانکہ اس کے ذرائع آمدورفت کافی ترقی یافتہ ہیں۔ اور یہ جزیرہ مدت مدید تہذیبی اور مذنی لحاظ سے متحد چلا آتا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو زراعت وغیرہ کا پیشہ اختیار کر کے اچھی خاصی مذہب اور فارغ البال زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور دوسری جانب نیوگنی۔ بورنیو اور سیلی کے بیچ کے بعض قبائل آج تک بالکل خیر مذہب زندگی گزار رہے ہیں۔ پاپان قبیلہ اس وقت تک مادر زاد پرہیزگار ہے۔ اور انسانی تمدن کے بالکل وحشیانہ ادوار کی یادگار ہے۔ اور ان کی گزراوقات فقط جنگل کے پھلوں اور شکار پر ہے۔

جاہلیت اور تہذیب کے اس گوناگون مرکب میں ہم یورپی استعمار کی انتفاع پرست ذہنیت کی گندی تصویر صاف دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی مستعمرات میں ایک غالباً بادی کو جاہل آن پڑھ اور تہذیب و تمدن کی وحشیانہ حالت میں مبتلا رکھنا ان کے معاشی سیاسی اور سامراجی مفادات کا عین تقاضا ہوتا ہے۔ اور شیخ شنشاہیت نے اپنے ان تقاضوں کو انڈونیشیا میں کما حقہ پورا کیا ہے۔ مسٹر ہاکس نے اپنی انڈونیشیا کی سیاحت کی رپورٹ

اس میں سماٹرا۔ جاوا۔ مادورا۔ بورنیو۔ سیلیبی اور متعدد دوسرے چھوٹے چھوٹے جزیرے شامل ہیں۔ دوسرے حصہ میں بلی۔ لومباک۔ سمباوا۔ فلورس۔ تیمور۔ سمباوا۔ روٹنی کے مشہور جزائر ہیں۔ تیسرے حصہ کو جزائر ملوکا کہا جاتا ہے۔ امبم۔ برو۔ سیرام۔ امبونیا اور جزائر بندہ شامل ہیں۔ شمالی ملوکا میں ادبی۔ باشجان۔ ٹیدور۔ ترمیٹ۔ حالما ہار۔ موروتائی کے جزیرے ہیں۔ چوتھے حصہ میں جزیرہ نیوگنی کا مغربی حصہ شامل ہے۔ اور اس کے بقیہ حصہ پر آسٹریلیا کا قبضہ و اقتدار ہے۔ جزائر انڈونیشیا کے پہلے گروپ یعنی جزائر سندان میں جزیرہ بورنیو کا ایک تہائی حصہ انگریز امپیرلزم کی غلامی میں ہے۔ انڈونیشیا کا زنجیر ملک قبضہ سے اس مقام پر واقع ہے جو بحر اوقیانوس کی بڑی طاقتوں کا عین مرکز ہے۔ یہ برطانوی نوآبادیات و بحری استحکام اور امریکی مستعمرات کے عین بیچ میں ہے۔ دنیا کے بحری اور ہوائی راستے اس میں ہو کر گزرتے ہیں۔ اور برطانوی مقبوضات برٹش ملایا بورنیو اور آسٹریلیا کے لیے تو یہ ایک قدرتی پل کا کام دیتا رہا ہے۔ اور اس ملک کی طویل غلامی کی اصل وجہ یہی رہی ہے۔

انڈونیشیا کو ہائے آتش فشاں کی سرزمین ہے۔ کڑھ ارض کا عظیم ترین سلسلہ ہائے آتش فشاں ان جزیروں کے بیچ گزرتا ہے۔ اور انکی قطار سماٹرا سے لیکر جاوا تک اور جزائر سندان سے لیکر فلپائن تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس ملک کی مٹی اپنی زرخیزی کے لحاظ دنیا بھر میں ایک مثال ہے۔ انڈونیشیا اپنی قدرتی دولت مند میں دنیا کے بڑے ممالک سے لگا کھاتا ہے۔ سماٹرا اور بورنیو نہایت قیمتی جنگلات سے اٹے پڑے ہیں۔ شہر پھلوں پھولوں سے پڑیں۔ ربڑ گنا۔ چائے۔ تبا کو سب سے بڑی زرعتی پیداوار ہیں۔ برٹش ملایا ربڑ کی پیداوش کے لحاظ سے دنیا بھر میں اول نمبر پر ہے۔ سیلی میں لوسے کی کانیں اور کوئلہ۔ جاوا۔ سماٹرا اور بورنیو میں تیل و سیلیمین پرتا ہے۔ فقط ٹین کی پیداوار شیخ حکومت کے ناکارہ ہاتھوں کے باوجود دنیا بھر کی پیداوار میں سے ۸ فیصدی یہاں سے برآمد ہوتی ہے۔

میان کرتے ہوئے اسی دردناک کیفیت سے پردہ اٹھایا ہے۔ کہ
”یا شندوں میں اکثریت جسے تعلیم و تربیت کی ہوا
لگے نہیں دی گئی، ذہنی لحاظ سے سخت تعجب
و تذبذب میں پائی گئی ہے کہ آیا خدا بڑا ہے یا ملکہ
معظہ بڑی ہیں بعض لوگ یہ بتانے سے قاصر ہیں
کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں کون رہتا ہے۔ اور
عرش اعظم پر کون“

۹۳۵ء میں ان جزائر کی آبادی سات کروڑ ۵۰ لاکھ تھی۔

جس میں مسلم آبادی ۹۰ فیصدی ہے۔

دنیا کے اس دور دراز گوشے میں اسلام کیونکر پہنچا؟

تاجروں کی سعی و محنت سے جو تبلیغ اسلام کی روح سے سرشار تھے
ایک وقت لنکا کی تمام تجارت عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہاں سے
یہ لوگ لگے بڑے اور ساحل چین تک کی تجارت پر قابض ہو گئے
و لنڈیون کے میدان میں آنے سے پہلے سیلون چین کے تمام جزیروں
اور ساحلوں میں عرب تاجروں کی کوششیاں، چوکیاں اور تجارتی کمپ لگ
رہے تھے۔ ۱۲۴۲ء میں سماء کے مغربی ساحل پر ایک پورا گاؤں
عربوں کا تھا جس کا امیر بھی عرب تھا۔ ۱۲۵۰ء میں ایک غریب مبلغ
عبد اللہ عارف نے سماء کے لوگوں میں اسلام کی اشاعت کی۔ ان
کے انتقال کے بعد ان کے خلفائے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ اور پندرھویں

صدی تک سماء کی عظیم شان ریاست بنا نگاہ باد اسلامی سلطنت
بن گئی۔ تبلیغ اسلام کی برکت سے اچھے میں ایک اسلامی ریاست
قائم کی گئی جس کا بادشاہ جہاں شاہ تھا۔ مشہور مورخ مارکو پولو نے
۱۲۹۲ء میں جزائر کا سفر کیا۔ وہ کہتا ہے کہ میں پھر تا پھر تا ریاست
لاک میں گیا۔ جہاں اسلامی راج قائم تھا۔ بارہویں صدی کے آخر میں
ریاست پاچان کا راجہ مغربی ہندوستان کی سیر و سیاحت کیلئے گیا۔ اور
جب وہاں سے لوٹا تو مسلمان تھا۔ اس کے ڈیڑھ سو سال بعد ایک عرب

مبلغ ملک ابراہیم ان علاقوں میں آئے۔ اور انہوں نے جہاں کے ہزار ہا
باشندوں کو مسلمان کر لیا۔ اور آخر یہ پوری سلطنت بھی مسلمان
ہو گئی۔

جہاں اور سماء میں تبلیغ اسلام کی صورت یہ رہی کہ پہلے ان علاقوں
میں مسلمان تاجر آئے تھے۔ تاجروں کی وجہ سے مبلغین اسلام بھی

اور مہاراجہ کر لیتے تھے مسلمان تاجران مبلغین کی پشت پناہی
کرتے تھے۔ اور تبلیغ اسلام کی یہ لہر ایک نقطہ سے شروع ہو کر

تمام ملک میں پھیل جاتی تھی مسلمان تاجروں نے جہاں اور سماء کی کامیابی
کے بعد جزائر ملوکا میں بھی کام شروع کر دیا۔ ابتدا میں مشکلات حال

رہیں۔ مگر جب تہذیب و کثرت پرست راجہ مسلمان ہو گیا تو ان کا کام بہت
سہل ہو گیا۔ تہذیب و کثرت کے بعد تر ناتہ کا راجہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور ۱۲۹۵ء

میں گیک کا حکمران بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ ان نو مسلم راجاؤں
نے مبلغین کی جی بھر کر مدد کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان جزائر میں بھی

ایک سر سے دوسرے سر تک اسلام پھیل گیا۔ جزیرہ بورنیو میں اسلام کا
عمل دخل صرف ساحلی علاقہ تک محدود تھا۔ پھر بھی جب اہل ہسپانیہ

۱۵۱۷ء میں یہاں آئے تو وہ کہتے ہیں کہ اس جزیرے کے شمال میں
بھی ایک اسلامی سلطنت قائم تھی۔ اس کے بعد یہاں بھی چھوٹے بڑے راجے

یکے بعد دیگرے مسلمان ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مکاشملہاک۔ سمباوا۔

فلورن اور غیر وغیرہ میں اسلام اکثریت پر غالب آ گیا۔

جب عیسائی مشنری پہلے پہل ان جزیروں میں آئے تو تمام

ملک میں اسلام کا پرچم بڑی آہ تازے سے لہرا رہا تھا۔ اچھے کا مسلمان
فرمانروا سارے سماء پر حکمران تھا۔ بلکہ ملایا اسکے زیر اثر تھا۔ جہاں میں

جہاں کا مقام اور ماترام کی اسلامی سلطنتیں قائم تھیں۔ جزائر سولا

دیوی میں مکاشملہ کی سلطنت بہت اہم تھی اور محافظ اسلام کہلاتی تھی

عجب لنڈیون تاجران علاقوں اور ان جزائر میں وارد ہوئے تو مسلمانوں کے انکا
پر تپاک غیر مقدم کیا۔ گرجیا انہوں نے اپنے اصل وطن دانت دکھائے اور اپنے
امپریٹ عزائم کا اظہار کیا تو انہوں نے انہیں ان کی تمام اسلامی ملکیتوں

مگر اس غیر ملکی منافع باز قوم نے اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے خود انہیں آپس میں لڑا دیا۔ اور جس متحدہ قوت کو ٹیچ جارجیا حملے کا مقابلہ کرنا تھا وہ باہمی خانہ جنگی میں چور ہو کر ٹوٹ پھوٹ گئی۔ سترھویں صدی عیسوی میں ڈیچ نوآباد کاروں کی مگر برطانوی مفادات سے ہو گئی۔ مگر برطانیہ ان جزائر میں ڈیچ قوم کی نوآبادیاتی ٹوٹ کھسوٹ اور ظلم و جفا کاری سے بازی نہ لے جا سکا۔ اور لے سپا ہونا پڑا۔ لیکن یہ جھپٹلیش ٹیچ ایسٹ انڈیز کمپنی کو بھی لے ڈوبی اور مالی اور اقتصادی لحاظ سے وہ دیوالیہ ہو گئی۔ بالآخر ۱۸۵۸ء میں ہالینڈ کی حکومت انڈونیشیا کا شاہی اقتدار براہ راست اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

باوجودیکہ انڈونیشیا کے شہزادے باہمی جنگوں میں اپنی قوت و اتحاد کھو چکے تھے۔ اور برطانیہ جزیرہ بورنیو کے ایک تہائی حصہ پر قناعت کر کے اہل ہالینڈ کی جارجانہ پالیسی کے سامنے خاموش ہو گیا تھا۔ پھر بھی ولندیزیوں کو پورے علاقے میں سوسائے کے جابرانہ عہد حکومت میں باشندگان انڈونیشیا نے کبھی امن و چین کا سانس لینے نہیں دیا۔ ۱۸۳۵ء میں تو عہد امن ایک ایسی ملک گیر بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی تھی کہ اگر قضا و قدر اہل انڈونیشیا کے حق میں ہوتے تو ولندیزیوں پر یورپا اٹھا ہی لینے کو تھے۔ اس بغاوت کی بیج کنی ولندیزی حکومت جس سفاکانہ اور انسانیت سوز درنگی سے کی تھی وہ مغرب کے نفع خور جماعتی اصول و مافکریاں کی نہایت گندی اور کریمہ تصویر پیش کرتی ہے۔ ولندیزیوں نے سب جاوی لیڈروں کو یک قلم تلوار کے گھاٹا اتار دیا۔ اور ساٹھ ایک کے مسلمانوں کو جو اس بغاوت کی حمایت میں کھڑے ہوئے تھے چن چن کر دہر پکینچو اڈیا۔

اس بغاوت کے بعد جب انڈونیشیا کے غدر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ڈیچ اقتدار کے خداؤں نے جو نظام اہل انڈونیشیا کے لئے تجویز کیا وہ ان سخت سزاؤں سے بھی زیادہ تم انگیز اور ذلت آمیز تھا۔ جو انڈونیشی علمبرداران آزادی جھگت چکے تھے۔ اس کڑے نظام استبداد نے انڈونیشی باشندوں کے دست و پا خوب کس کر باندھ دیئے۔ اور ڈیچ فاشزم کے خلاف ایک پتہ ملنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ ولندیزی اقتدار کے

میں کھلبلی مچ گئی۔ اور ان کے مقابلے کے لئے سب میدان میں اتر آئے۔ مسلمان مملکتوں کو ولندیزیوں کے اشاعت مسیحیت کے پروگرام سے اور بھی زیادہ اشتعال ہوا۔ اور ولندیزیوں کے ساتھ باقاعدہ جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس میں کبھی مسلمانوں کو فتح ہوتی تھی۔ اور کبھی ولندیزیوں کو۔ ولندیزیوں کی بحری طاقت مسلمانوں سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ علاوہ بریں ولندیزی سپاہی ترقی یافتہ ہتھیاروں سے لیس تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھارہویں صدی میں مسلمانوں کی مظلومیت کا دور شروع ہو گیا۔ اس زمانہ کے ممتاز ترین سپہ سالار تین تھے:

۱۔ سلطنت بنٹام کا پرنس ابو الفتح۔

۲۔ مدورا کا شہزادہ تارونہ جو جو۔

۳۔ جزیرہ بالی کا سردار سوراپتی۔

ان تینوں نے اسلام کی طرف سمدافعت کا حق ادا کیا۔ اور بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ مگر ولندیزی مصیبت کا علاج نہ ہو سکا۔ آخر انیسویں صدی میں ہالینڈ والے ان جزائر پر پوری طرح غالب آ گئے۔ ۱۸۲۵ء میں سلطان ماتارام کے بڑے بیٹے عبدالحمید نے ولندیزیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ ۱۸۳۵ء میں دو اور زبردست بغاوتیں ہوئیں جن کا سلسلہ ۱۹۰۳ء تک پہنچتا ہے۔ اور جنگ عالمگیر کے بعد ہی سلسلہ بڑی وسعت کیساتھ ساری سلطنت میں پھیل گیا۔

ولندیزیوں نے اس سونے کی چڑیا کو بالکل انہی ہتھکنڈوں سے ہتھیایا جن کے یورپ کی دوسری اقوام آج تک اہل مشرق کو حلقہ لگوش بناتی آتی ہیں۔ برطانیہ کیساتھ شدید ٹکٹش کے سبب جب اسپین انڈونیشیا سے دستبردار ہو کر لے چھوڑ گیا۔ تو ۱۸۵۵ء میں ایک ڈیچ سپاہی جان پیٹرن نے ڈیچ ایسٹ انڈیز کمپنی کی دلغ بیل رکھی۔ اس کمپنی کی نوعیت بھی ابتداً ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرح محض کوٹھی کی تھی۔ مگر جب اسکے ساتھ ڈیچ افواج بھی سواحل انڈونیشیا پر آئیں۔ تو مقامی شہزادے ولندیزیوں کے امپریلیٹ عزائم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس دور و سخت کی ہلکی سی جھلک ان عام قوانین میں کبھی جاسکتی ہو جو جاپانی حملہ سے پیشتر ۱۹۳۷ء تک انڈونیشیا میں رائج تھے۔

مثلاً کوئی انڈونیشی کسی ٹیچ باشندے کی توہین نہیں کر سکتا۔ اور توہین میں یہ بات بھی شامل تھی کہ کوئی باشندہ کسی ٹیچ کو ٹیچ زبان میں مخاطب کر نیکی جرات کرے۔ اس جرم کی سزا ۹۰ پونڈ جرانہ یا تین سال قید یا دروں کی مانتھی۔ کوئی انڈونیشی ٹیچ عدالت میں کھڑا ہو کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ایک نجی سی سرکڑے کی کرسی پر بیٹھ کر نہایت بجا جگ بات کر نیا حکم تھا۔ کوئی انڈونیشی اپنا ریڈیو رات کے گیارہ بجے کے بعد نہیں بجا سکتا تھا۔ پچاس سال سے کم عمر کے ہر مقامی باشندے کو سرکاری سڑکوں پر سال بھر میں کم سے کم ایک مرتبہ ایک متعینہ مدت کیلئے کام کرنا پڑتا تھا۔ یا اس کے عوض میں ایک مقررہ ٹیکس ادا کرنا ہوتا تھا۔ انڈونیشیائی کل زیر کاشت زمین پر ولندیزی حکومت کو حقوق مالکانہ حاصل تھے۔ عوام الناس سے حکومت جبریہ کاشت کرائی تھی۔ اور پیداوار کا ۱۰ فیصدی ولندیزیوں کے حصہ میں آتا تھا۔ صرف ۳۰ فیصدی اصلی باشندوں کو ملتا تھا۔

۱۹۳۹ء میں ان بزاز میں جعفر شکر پیدا ہوئی تھی اس کا ۹۹ فیصدی اور جعفر چائے ہوئی تھی اس کا ۹۱ فیصدی ولندیزی کھیتوں کی پیداوار تھا۔ دنیا بھر میں جعفر سنگونا پیدا ہوتا ہے۔ اس کا ۸۰ فیصدی اور جعفر کالی پرچ ہوئی ہے اس کا ۹۲ فیصدی صرف جاوے کے برآمد کیا جاتا ہے۔ اور ان سب پر ولندیزیوں کی اجارہ داری تھی۔

مقامی آبادی جو غایت درجہ غریب و نادار اور مفلوک الحال ہے اس کی اوسط آمدنی فی کس ۹ پائی روزانہ ہے۔ اور ولندیزی نفع اندوزی اور انڈونیشی اغلاس کا اندازہ اس ایک بات سے کیجئے۔ کہ گذشتہ جنگ عالمگیر سے صرف ایک سال پہلے کل ۵ فیصدی انڈونیشی باشندہ نجی سالانہ آمدنی ملکی انجم ٹیکس کے معیار کو پہنچتی تھی۔ اس جابرانہ نظام حکومت و معاش کو سامنے رکھ کر انڈونیشیا کے مجاہدین آزادی کی شکست

کا اندازہ کیا جائے۔ کہ کس کس آزمائش کی بھٹی سے ان لوگوں کو گذرنا پڑا ہوگا۔ اور کس کس کو مصیبت سے انہیں نکلنا پڑی ہوگی۔ لیکن ان مشکلوں کے باوجود انڈونیشی عوام ۱۹۴۵ء میں بھرولندیزی تشدد کے خلاف میدان میں اتر آئے۔ اور یہ جہاد آزادی ۱۹۴۷ء تک پورے ٹیچ انڈونیشیا میں پرتگیزیوں کے لئے درد سربار ہوا۔ اس تحریک کی سرکردگی انڈونیشیائی ایک اسلامی تنظیم ”شریک اسلام“ کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک انڈونیشیائی نیشنل پارٹی منظر عام پر آگئی۔ اور ڈاکٹر سکارنو کی سرکردگی میں جب تک کہ انہیں ۱۹۴۷ء میں ٹیچ حکومت نے حوالہ زمانہ نہ کر دیا سرگرم کار رہی۔

۱۹۴۷ء کے بعد ملک کی تمام جہاد جہادوں نے متحدہ ہو کر پانچ تحریک ولندیزیوں کے سامنے دس سال کے اندر اندر انتقال اختیار کیا۔ مگر اس کے جواب میں سب جماعتوں کے رہنماؤں کو جیل میں بھیجا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب جاپان نے انڈونیشیا پر حملہ کر دیا۔ تو اہل ملک نے پھر ٹیچ حکومت کے سامنے اپنے اس مطالبہ کو رکھا۔ اور اس کی منظوری پر جاپانیوں کے خلاف لڑنے کیلئے اپنے متحدہ تعاون کی بھی پیشکش کی۔ مگر ٹیچ سامراج کا بگڑا ہوا مزاج کسی طور درست نہ ہو سکا۔ اور ایک ہی ہفتہ کے مقابلہ میں جاپانیوں کے سامنے ٹیک ولندیزی انڈونیشیا سے رفقہ چکر ہو گئے۔ اور جس قوم کا پورے ساڑھے تین سو سال تک خون چوسا تھا۔ اسے کس مہر سی کی حالت میں جاپانی فاشنزم کے حوالے کر گئے۔

جاپانی اگرچہ مجمع البحر ازمیں بہت قلیل مدت تک حکمران رہے۔ تاہم انہوں نے اپنی سہولت کی خاطر شہری انتظامات میں مقامی باشندوں کو شریک کر لیا۔ اور انہیں فوجی تربیت بھی دی۔ اور اگست ۱۹۴۵ء میں جب جاپان نے اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ تو انڈونیشیا ایک ہی جہت میں آزاد ہو گیا۔ اس وقت ملک نہ صرف سیاسی لحاظ سے مکمل طور پر بیدار ہو گیا۔ بلکہ فوجی لحاظ سے بھی اس نے اپنی قوت مستحکم کر لی۔ اور باقاعدہ ”آزادی پبلک آف انڈونیشیا“ کا

اعمال کر دیا گیا۔

کوپس پشت ڈال کر ولندیزیوں نے پھر جمہوریہ سے جنگ چھڑی۔ یو۔ این۔ او۔ کے اصرار اور بادو کی وجہ سے یکم اگست ۱۹۴۷ء کو ولندیزی اپنے فوجی احکامات واپس لینے پر مجبور ہوئے۔ لیکن پولیس ایکشن کے بعد میں ان کی افواج برابر انڈیشی جمہوریہ کے خلاف لڑتی رہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے جاوا کی سب سے بڑی بندرگاہوں یعنی بٹاویہ۔ پریبان۔ سارانگ۔ اور سورامیر پر قبضہ جمالیا۔ اسی طرح جاوا کا دو تہائی سماٹرا کا بیس فیصدی اور مدورا کا سارا علاقہ بھی ہتھیایا۔

۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو ریٹول معاہدہ وجود میں آیا۔ اسکی رو سے قرار پایا کہ انڈونیشی باشندوں کو آزادی تحریر و تقریر دی جائے گی۔ اور سیاسی پارٹیوں سے تمام پابندیاں اٹھائی جائیں گی۔ ملکی باشندوں کے استصواب کے بغیر ملکی نظم و نسق میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جائے گا۔ جب آخری تصفیہ عمل میں آجائیگا۔ تو چھ ماہ کی مدت کے اندر عام انتخابات عمل میں لائے جائیں گے۔ جب تک ریاستہائے متحدہ انڈونیشیا (United States of Indonesia) کا آئینی وجود عمل میں نہ آئے۔ اس وقت تک اہل انڈونیشیا اور حکومت ہالینڈ کی مشترکہ ذمہ داری میں ملکہ ہالینڈ کے تحت ایک ہنگامی حکومت (Interim Government) کی تشکیل کر لی جائیگی۔ نیز جاوا سماٹرا اور مدورا میں استصواب رائے عامہ سے معلوم کیا جائیگا۔ کہ یہ تینوں ری پبلک آف انڈونیشیا میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ یا ریاست ہائے متحدہ انڈونیشیا میں اپنا الگ وجود متعین کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن عملاً اس معاہدے کا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے معاہدہ لانگجائی کا ہو چکا تھا۔

۲۶ فروری ۱۹۴۸ء کو حفاظتی کونسل میں انڈونیشی نمائندہ نے کہا اہل ہالینڈ دن دھاڑے اقوام عالم کی آنکھوں میں مھول ڈال رہے ہیں۔ اور پوری دلیری سے معاہدہ ریٹول کے ٹکڑے کر چکے ہیں۔

جاپان نے جب اتحادیوں کے سامنے اعتراف شکست کر لیا۔ تو ان کے ہاتھ سے انڈونیشیا کا نظم و نسق واپس لینے کے لئے برطانوی افواج مجمع الجزائر میں داخل ہو گئیں۔ ان کے داخلہ کے تصور و عرصے کے بعد ولندیزی بھی چورنگی طرح جزائر میں گھس آئے۔ ان کا یہاں قدم رکھنا تھا کہ اہل انڈونیشیا مشتعل ہو اٹھے۔ اور ملک میں جنگ چھڑ گئی۔ ولندیزیوں کو مقامی باشندوں کی فوجی قوت کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی عسکری قوت فراہم کرنے میں پورا ایک سال لگ گیا۔ اور یہ موقع ری پبلک آف انڈونیشیا جمہوریہ انڈونیشیا کے اپنی طاقت و قوت مجتمع کرنے کے لئے کافی تھا۔ ولندیزی چاہتے تھے کہ اس ملک کی حکومت کی باگ ڈور جہاں وہ چھوڑ گئے تھے وہیں سے اب دوبارہ لے سہ تمام لیں۔ یورپ کی نفع اندوز سرمایہ داری کا یہ کردار کس قدر کرہ اور بودا تھا۔ کہ جب انڈونیشیا پر جاپانی دیواستبداد منڈلا رہا تھا۔ اسوقت یہ لوگ انکی حفاظت کے فرائض کو طاق نیاں کر کے اپنے وطن کو اٹھ بھاگے۔ اور اپنی رعایا کو جاپانی فاشٹز کے بھاڑ کی نذر کر دیا۔ اور جب خطرات کے بادل چھٹ گئے تو اپنے ماتھے کے عرق انفعال کو پونچھے بغیر اور اپنے بزدلانہ ماضی پر شرمسار ہوئے بغیر انھی مجبور و بکیں عوام کو پھر اپنا غلام و بندہ بنائے کیلئے آموجود ہوئے جمہوریت نواز اور حریت پسند مغربی اقوام کے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ کہ ولندیزیوں کے اس گندے کردار کے باوجود انکی پیٹھ ٹھونکی گئی۔ اور انڈونیشیا پر از سر نو بند غلامی چڑھانے پر ان کو ہشکارا گیا۔

۱۹۴۷ء میں جمہوری افواج اور ولندیزی سپاہیوں کے درمیان باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں لانگجائی صلحنامہ عالم وجود میں آیا۔ اور اس کی دفعہ ۷ کی رو سے تمام امور متنازعہ کا فیصلہ پرامن گفت و شنید سے طے ہونا قرار پایا۔ مگر جولائی ۱۹۴۷ء میں صلحنامہ

بالآخر حفاظتی کونسل کے شدید دباؤ نے گذشتہ ہریک کانفرنس کے لئے راستہ صاف کیا جس میں انڈونیشیا کے نئے ولندیزی سیادت کی جدید غلامی کا چولانی کڑبیونت سے تیار ہوا ہے۔ یہ تذکرہ ان سطور میں پہلے ہو چکا ہے۔

اگر ہم انڈونیشیا کے مسلمانوں کی دینی و سیاسی رجحانات اور وہاں کی اہم سیاسی جماعتوں کا ایک مختصر سا تذکرہ یہاں نہ کریں تو شاید اس مقالہ کی افادیت میں ایک غلارہ جائیگا۔

وہ حضرات جو اسلام سے کچھ لگاؤ رکھتے ہیں۔ اور پاکستان میں تحریک قیامت دین اور اسلامی نظام حکومت کے قیام سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے لئے شاید یہ بات تعجب انگیز ہوگی۔ کہ اسی قسم کے رجحانات اور دعوئے انڈونیشیا کی جہتنامہ زندگی میں بھی دیکھے جاتے ہیں۔ لفظ ”دارالاسلام“ وہاں عام طور پر بولا جاتا ہے۔ ”استخلاف دین“ کی اصطلاح بھی سیاسی حلقوں کی نوک زبان پر پائی جاتی ہے۔ اور اسلام کے احیاء اور اس زمانہ میں اسلامی اصولوں کی سائیٹی تک توجہ کا ایک عام جذبہ آبادی کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں نظر آتا ہے۔ وہاں کی سیاسی جماعتوں کے مفصل حالات ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ تاہم جو مصلحت اس وقت حاصل ہو رہی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامیان انڈونیشیا بھی ایک اسلامی دستور زندگی کی پیاس اور تڑپ ضرور محسوس کر رہے ہیں۔ اور یہ تڑپ کم سے کم ہمارے عیسائی عربی ممالک سے کئی گنا بڑھی ہوئی ہے۔ کاش اس دور دراز مسلم مملکت سے ہمارے روابط کچھ گہرے ہوتے تاکہ ان کے دینی و اسلامی رجحانات براہ راست ہم تک پہنچ سکتے۔

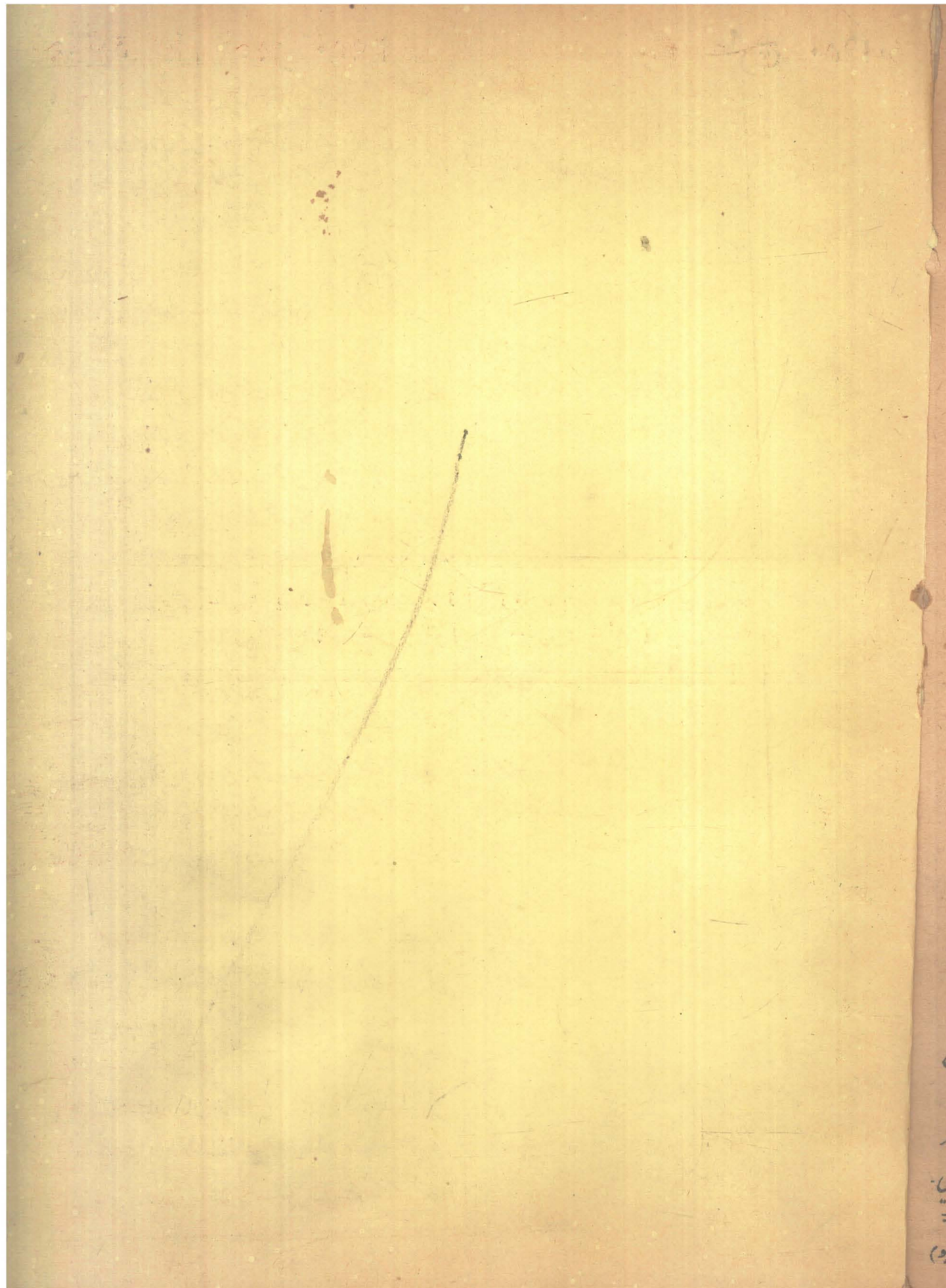
انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تین مشہور تنظیمیں جماعتیں سرگرم عمل ہیں۔ ان میں پہلی تنظیم جسے ملک بھر کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ مجموعی (Majelis) کے نام سے مشہور ہے۔ اس جماعت کے شاخیں کل مجمع الجزائر میں پھیل رہی ہیں۔

مغربی جاوا اور دندرا کے سیاسی اتحاد کو توڑ نیکی ریشہ دو انیاں پوری دیدہ دلیری سے ہو رہی ہیں۔ اور استصواب رائے عامہ کی راہ میں مشکلات پیدا کر نیکی ہر ممکن ہتھکنڈے کھیل چلے ہیں۔ جمہوریہ کو چاروں طرف سے بحری اور بری لحاظ سے گھیرا جا چکا ہے۔ اور اقتصادی ڈیڈ لاک کے ذریعے اندرون ملک میں معاشی کھلبلی مچائی جا چکی ہے ان حالات میں ٹیچ اقتدار سے اہل انڈونیشیا خیر کی کوئی امید نہیں رکھتے۔“

جون ۱۹۶۸ء میں اقوام متحدہ کی حفاظتی کونسل کے غیر سنگالی کمشن نے اپنی رپورٹ میں احتجاج کیا۔ کہ ”ٹیچ حکومت معاہدہ کو پس پشت ڈالتے ہوئے جمہوریہ کے خلاف فوجی اقدام میں سبقت کی جو“ ”انڈونیشی عوام کسی حال میں بھی کسی ایسے عہد نامہ پر راضی نہیں جس کے قبول کرنے میں ان کے مقبوضہ علاقے پر ٹیچ کی جارحانہ فوج کشی کا احتمال ہو۔“ ”ٹیچ افواج نے کمیٹی کو بغیر نوٹس دیئے، ۷ جنوری ۱۹۶۸ء کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ اور اسکی صریح خلاف ورزی میں جمہوریہ انڈونیشیا کی حدود و مملکت میں داخل ہو گئی ہیں۔“

امریکہ کے روزنامہ نیویارک ٹائمز نے حفاظتی کونسل کے اس غیر سنگالی کمشن کی ناکامی پر یو۔ این۔ او کو یہ دیدہ تبریک پیش کیا۔ ”حفاظتی کونسل کی ناکامی اسکی بیوقوفانہ اور غیر دانشمندانہ حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔ جس کے سبب یو۔ این۔ او کا وقار دنیا کے آزادی پسند حلقوں میں خاک میں مل گیا ہے۔“

جولائی ۱۹۶۸ء میں جمہوریت انڈونیشیا نے ولندیزیوں کے جارحانہ اور قریب کارانہ اقدامات سے تنگ آکر اعلان کر دیا کہ وہ ٹیچ سے کسی قسم کے معاہدے اور گفت و شنید سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے۔ اس اعلان کے بعد ڈیڑھ سو قہر پا کر تمام انڈونیشی رہنماؤں کو جو گجا کاٹھ میں نظر بند کر دیا۔ ہندوستان۔ پاکستان۔ براہ اور لنکائے بطور احتجاج ہالینڈ سے اپنے روابط توڑ لئے۔ اور انہیں انڈونیشیا آنے جانے کے لئے بحری اور فضائی راستہ کی سہولتیں دینے سے صاف انکار کر دیا۔



رجسٹرڈ اپیل نمبر ۲۶۵۰

مارچ ۱۹۵۰ء

غلام حسین ایڈیٹر - پرنٹر - پبلشر نے ٹنائی برقی پریس سرگودھا سے چھپوا کر
دفتر حریدہ شمس الاسلام بھیرہ پاکستان سے شائع کیا
